شکاری اور بھوت
شفیق الرحمٰن
شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز ۰ ادبی مارکیٹ چوک انارکلی لاہور

پیارے بچّو!

پہلے آپ مُنہ بولتی کہانی کے عنوان سے ہلکی پھلکی کہانیوں کی سلسلہ وار سیریز خوب چٹخارے لے کر پڑھ چکے ہیں ———— لیجیے!! اب عجوبہ کہانی کے عنوان کے تحت پہلے کی نسبت ذرا مشکل الفاظ میں ہمارے بزرگ ادیبوں کی کہانیوں کا نیا سلسلہ پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ عجوبہ کہانیاں آپ کو ایک نئی سوچ دیں گی —— ہماری یہ کوشش رہی ہے کہ ہمارے بزرگ ادیبوں نے جو کچھ لکھا ہے آپ کے لیے خوبصورت انداز میں پیش کر کے اُسی طرح لوٹا دیں۔ یہ کہانیاں آج بھی آپ اُسی طرح پسند کریں گے، جس طرح کہ پچاس سال پہلے ہمارے بزرگوں نے انھیں پڑھا اور پسند کیا اور ان کے ذہنوں میں نقش کر گئیں انشاء اللہ آپ بھی پڑھیں گے تو اسی طرح کا لطف اٹھائیں گے۔

اِن کہانیوں نے ہمیں بہت کچھ سکھایا، جو ہمارے لیے اور خاص کر آپ کے لیے ایک وراثت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آج یہ وراثت ہم آپ کو ایک خوب صورت انداز میں لوٹا رہے ہیں۔ کہانیوں کو یکجا کتابی صورت میں کرتے وقت انتہائی مجبوری کے تحت دوسرے ساتھی ادیبوں کی کہانیاں بھی کتاب میں شامل کرنا پڑیں جس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں۔ البتہ ہر کہانی کے ساتھ ان کا اسمِ گرامی اہتمام سے شائع کیا گیا ہے۔ آخر میں ان ادیبوں اور جو بزرگ ادیب ہم میں موجود نہیں، اُن کے لواحقین کی تہ دل سے شکر گزار ہوں کہ اُنھوں نے اس قیمتی تحفہ کو آپ تک پہنچانے میں میرا بھرپور ساتھ دیا۔ خاص طور پر محترم رب نواز ملک کا بھی جن کے دلی تعاون سے یہ کہانیوں کا خوب صورت گلدستہ آپ تک پہنچا۔

سیما مجید

مرتبہ
سیما مجید

شفیق الرحمٰن

شکاری صاحب اور بھوت

میرا دوست اور میں تقریباً رات کے نو بجے گاؤں کے قریب پہنچے۔ میرے ایک ہاتھ میں لاٹھی تھی اور دُوسرے ہاتھ میں لالٹین۔ میرے دوست نے بھی لاٹھی تھام رکھی تھی اور اس نے بھی اپنے دُوسرے ہاتھ میں لالٹین کی جگہ مُونگ پھلیوں اور اخروٹوں والے تازہ گڑ کی پوٹلی اٹھا رکھی تھی۔

ہمارے ذِمّے دو کام تھے۔ پڑوس کے گاؤں کے نمبردار صاحب کو گڑ کا تحفہ پیش کر کے اُنھیں یہ بتائیں، کہ اُن کا بھیجا ہُوا مالی بیمار ہے۔ اگر وہ نیا مالی بھیجیں تو اُسے اپنے ساتھ لے آئیں۔

ہم اپنے گاؤں سے دوپہر کو روانہ ہُوئے تھے لیکن راستے میں منڈی لگی ہُوئی تھی۔ شام تک
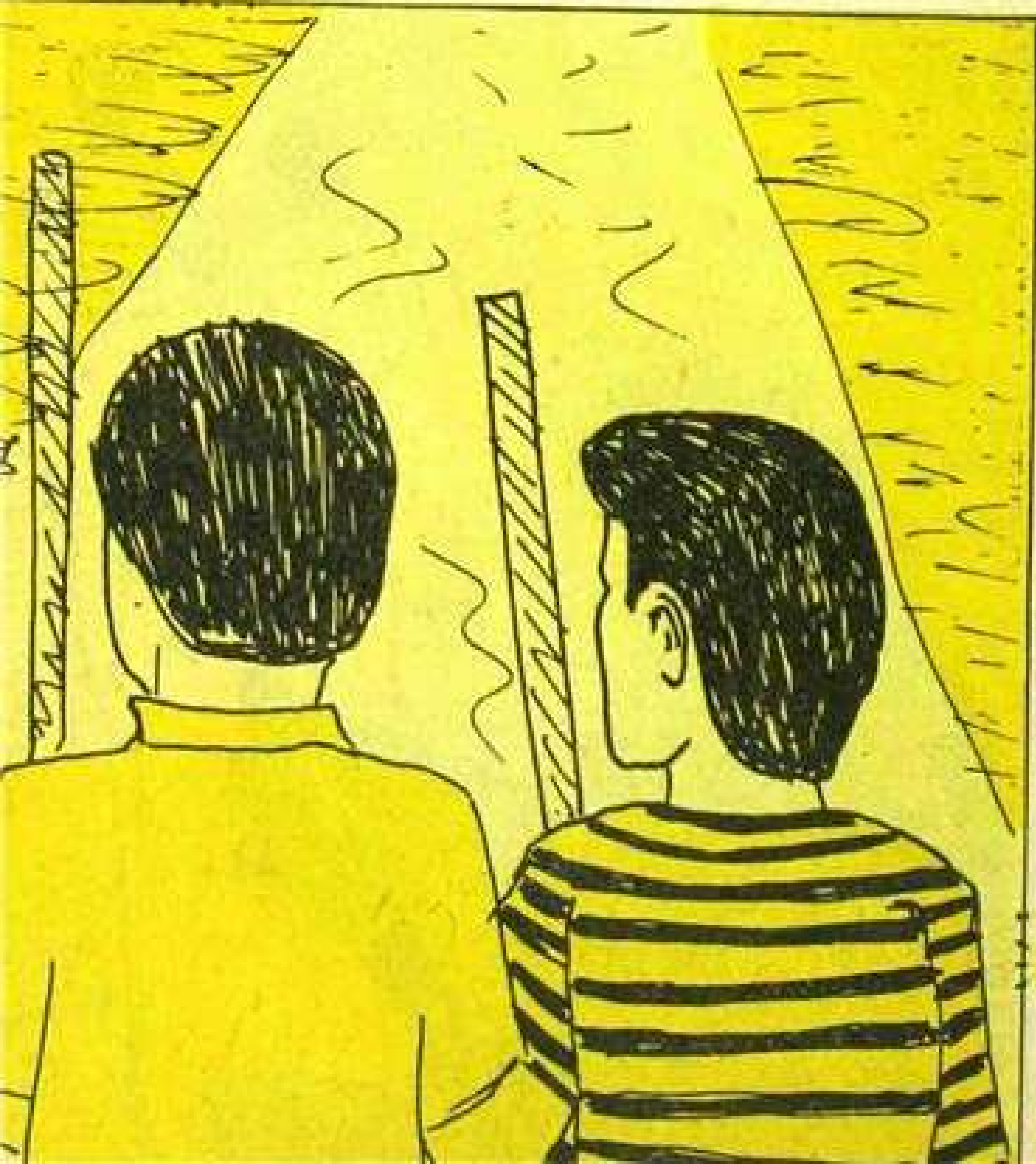
وہاں کی سیر کی۔ سورج غروب ہونے پر اچانک یاد آیا کہ چار پانچ میل کا سفر کرنا ہے۔ چنانچہ ایک دکان دار سے لالٹین کرائے پر لے کر دوسرے گاؤں کا رُخ کیا۔

گاؤں سے تقریباً سو سوا سو گز اِدھر ہی ہمیں کتّوں کے ایک لشکر نے گھیر لیا۔ ہمارا خیال تھا کہ لالٹین ہمیں مدد دے گی اور اس کی روشنی میں ہم کتّوں کو اچھی طرح پیٹ سکیں گے، لیکن روشنی کی وجہ سے کام اُلٹ ہو گیا۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ ہم کتّوں کی خوب پٹائی کرتے، کیوں کہ ہمارے پاس لٹھ بھی تھے لیکن ہُوا یہ کہ روشنی میں کتّے خوب نشانہ باندھ باندھ کر ہم پر حملے کر رہے تھے۔ ہم بدحواس ہو گئے۔

یکایک میرے دوست کا لٹھ لالٹین پر پڑا۔ ایک دم اندھیرا ہو گیا اور افراتفری مچ گئی۔ غلطی سے مَیں نے ایک کتّے کی دُم پر پاؤں رکھ دیا تھا۔ اُس نے ایک خوف ناک طویل نعرہ لگایا۔ دُوسرے کتّوں نے بھی اس کا پُورا پُورا ساتھ دیا۔ ہم دونوں سر پر
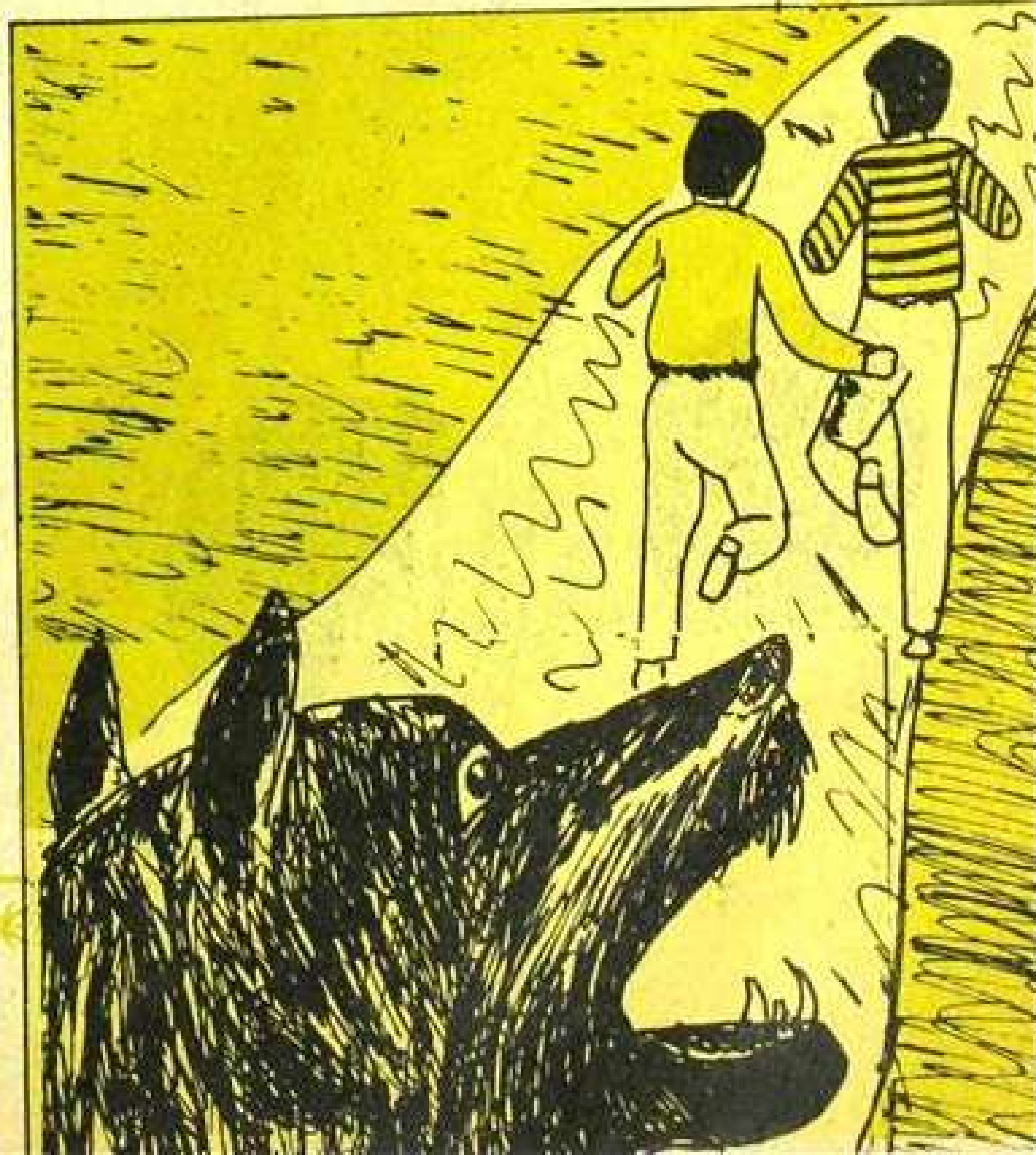
پاؤں رکھ کر ایسے سرپٹ بھاگے کہ پیچھے مُڑ کر بھی نہیں دیکھا، اور چند منٹوں میں گاؤں پہنچ گئے۔

گاؤں کے چوپال میں روشنی تھی۔ خوب گہما گہمی تھی، اور لوگ بیٹھے حُقّہ پی رہے تھے۔

"وہ دیکھو! شکاری صاحب بیٹھے ہیں۔ ضرور کوئی نہ کوئی کہانی سُنا رہے ہوں گے۔" میرا دوست بولا۔

شکاری صاحب بڑے دل چسپ اور زندہ دل آدمی تھے۔ پتا نہیں عُمر بھر نوکری کی تھی یا زمین داری۔ لیکن اُن کی باتوں سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ سوائے سیر سپاٹے اور شکار کھیلنے کے اور کوئی کام نہیں کیا۔

شکاری صاحب کی کہانیاں ایسی ہوتیں کہ اُن پر کچھ یقین آتا، کچھ نہ آتا۔ بڑے بُوڑھے تو اُن کے قِصّوں پر مُسکراتے رہتے لیکن ہم لڑکوں کو یہ باتیں اور کہانیاں بڑی دل چسپ معلوم ہوتیں۔ کہانی کو ختم وہ بہت اچھی طرح کرتے تھے۔ مثلاً شیر کے واقعات سُناتے
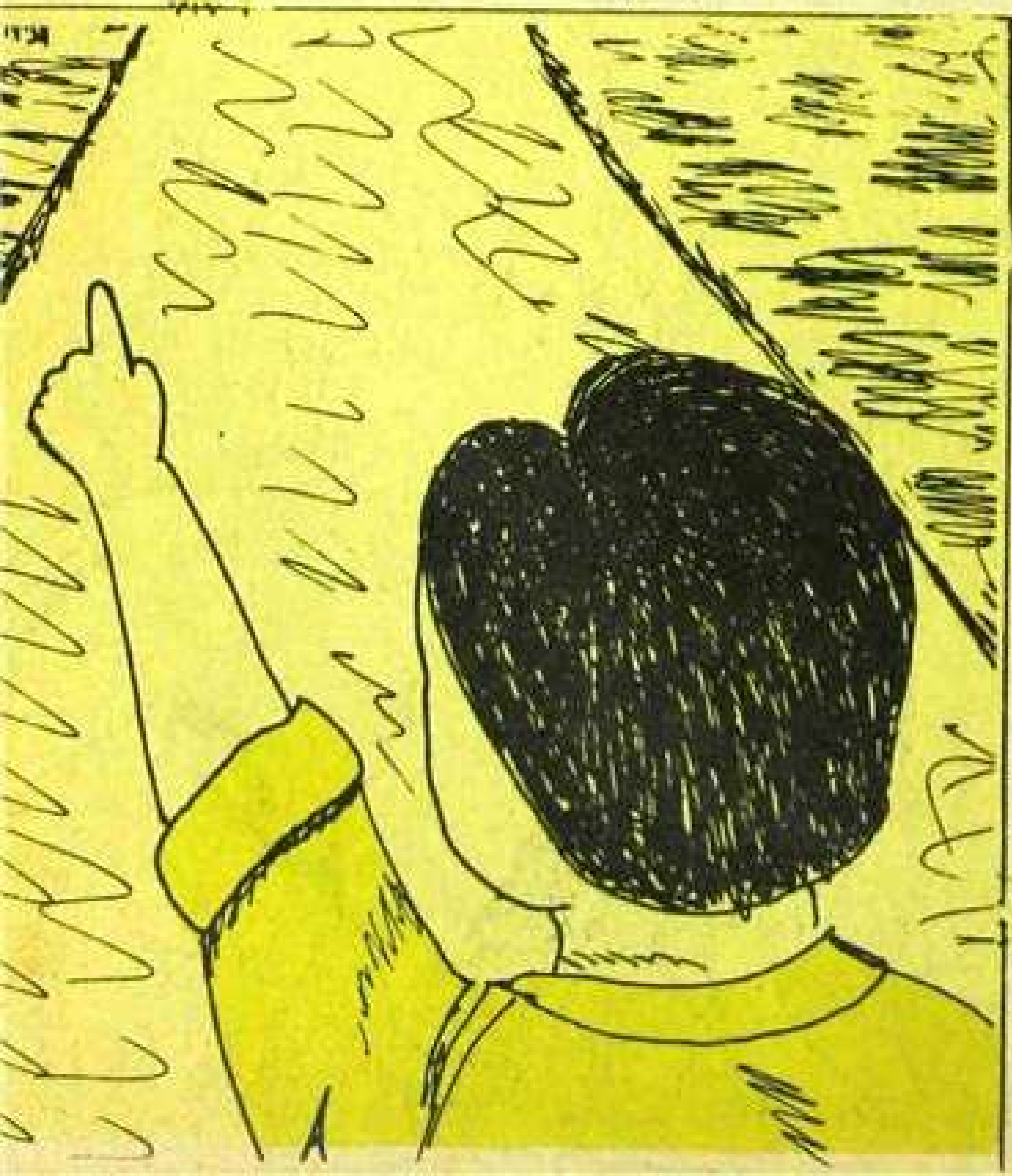
وقت ایسا ہولناک سماں باندھتے کہ سب کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے۔ آخر میں بڑی مُصیبتوں کے بعد جب شیر نظر آتا اور بندوق کا ذکر ہوتا تو شکاری صاحب کہتے :

"شیر دُور کھڑا دہاڑ رہا تھا۔ مَیں نے اپنی بندوق کو مضبُوطی سے تھام کر نشانہ لیا اور اللہ کا نام لے کر لبلبی دبا دی، لیکن اِتّفاق مُلاحظہ ہو کہ شیر بندوق کی زد سے صِرف چار فٹ دُور تھا۔ گولی زنّاٹے سے گئی مگر شیر کی دُم سے ٹھیک چار فٹ اِدھر بائیں طرف جا کر زمین میں ٹھنڈی ہوگئی۔ خُود شیر نے خوف زدہ ہوکر پیچھے گھُوم کر گولی کو زمین پر گرتے دیکھا ——!"

ریچھ کے شکار کے سلسلے میں ایک قِصّہ یُوں بتاتے کہ :

"کِتنی تکلیفوں اور کِس قدر انتظار کے بعد آخر کار ریچھ دکھائی دیا۔ وہ مزے سے ندّی کے کِنارے بیٹھا آرام کر رہا تھا، کہ مَیں نے بھَری ہُوئی بندوق اُٹھائی نشانہ لیا اور پھر لبلبی دبانے ہی والا تھا کہ یکایک خیال آیا کہ یار میرے پاس تو ہتھیار ہے، لیکن
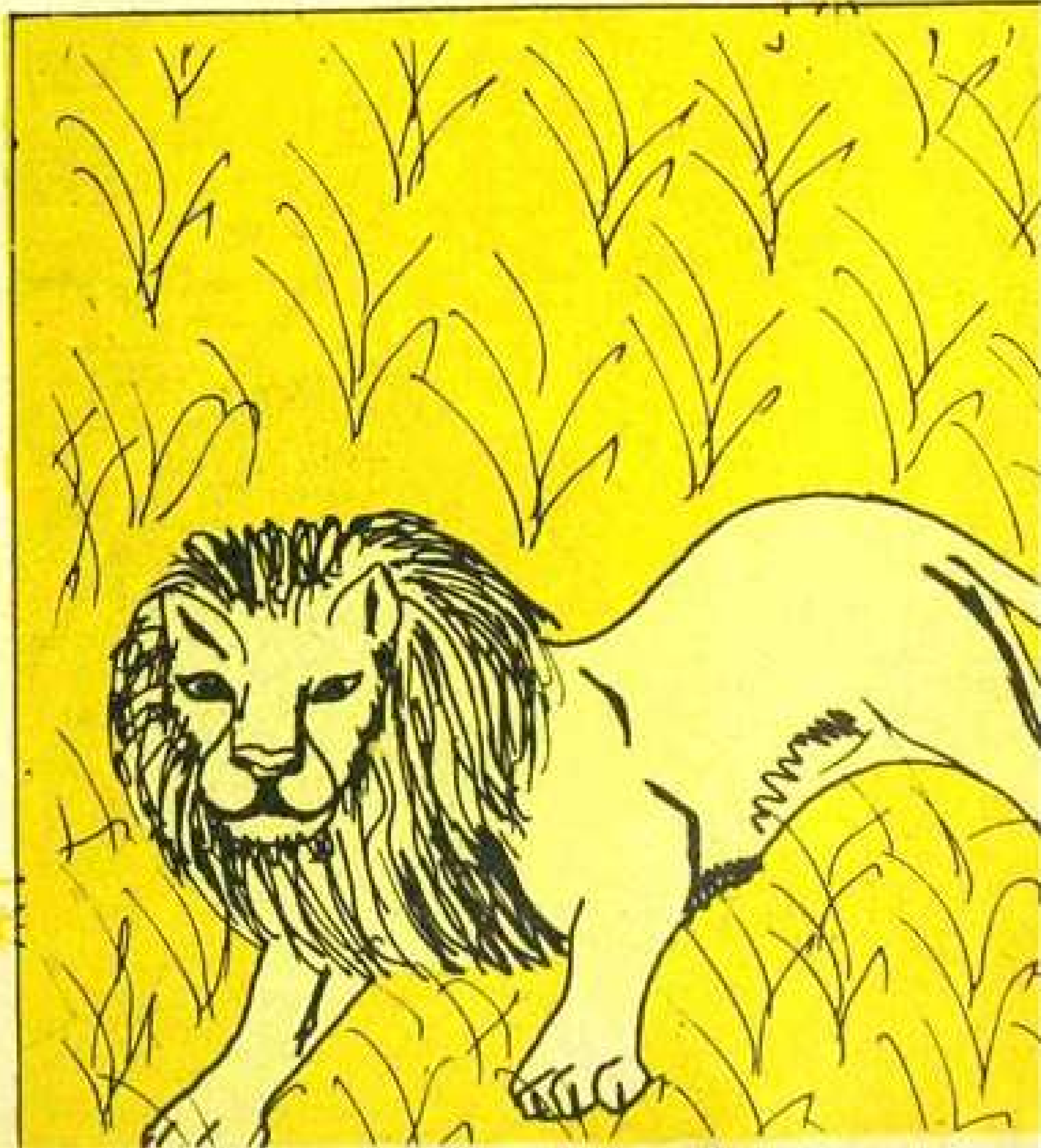
ریچھ بے چارہ نہتّا ہے۔ اگر ریچھ کے پاس بھی بھری ہُوئی بندوق ہوتی تب تو کوئی بات بھی تھی اور پھر وہ تو آرام کر رہا تھا۔ چنانچہ میَں نے گولی نہیں چلائی۔"

اگر کوئی درمیان میں اُنھیں ٹوک دے تو وہ خفا ہو جاتے تھے۔ اِس لیے۔ بچّوں کو کہانیاں نہیں سُناتے تھے، کیونکہ بچّے بہت زیادہ بے صبری دکھاتے اور درمیان میں بار بار پُوچھتے، پھر کیا ہُوا؟ پھر آپ نے کیا کیا؟ شیر نے آپ پر حملہ کیوں نہیں کیا؟

مجھے یاد تھا کہ پِچھلے مہینے جب وہ چیتے کے شکار کی کہانی سُنا رہے تھے تو۔ بچّوں نے اُنھیں بے حد پریشان کیا تھا۔

شکاری صاحب کہہ رہے تھے :

"سُنسان جنگل، ہُو کا عالم، چاروں طرف گھری تاریکی —— اور سامنے گھنے درختوں میں چھُپا ہُوا خونخوار چیتا ——!"

"پھر کیا ہُوا؟" ایک بچّے نے درمیان میں ٹوک دیا۔

"پتّا بھی کھڑکتا تو میرا دل ایک دم دھڑکنے لگتا۔ فوراً بندوق سنبھال کر

آہٹ کی طرف لپکتا، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا۔"

"پھر کیا ہُوا؟" دُوسرے بچّے نے پُوچھا۔

"ایسے ڈراؤنے منظر کی ذرا تصویر تو بنائیے ـــ ذرا سوچیے کہ ـــ"

"تصویر بنا لی ـــ پھر کیا ہُوا؟"

"اِتنے میں کیا دیکھتا ہُوں کہ چیتا سامنے کھڑا ہے۔ بندوق جو چلاتا ہُوں تو گولی ندارد ـــ معلوم ہُوا کہ جلدی میں کارتُوس ڈالنا بھُول گیا تھا ـــ اب اندازہ کیجیے کہ ـــ"

"اندازہ کر لیا ـــ پھر کیا ہُوا؟"

"پھر مَیں نے جلدی سے اپنی بندوق میں کارتُوس بھرا ـــ اُدھر چیتے نے چھلانگ لگائی اور سیدھا ـــ"

"پھر اس کے بعد کیا ہُوا؟" ایک بچّہ بولا۔

"پھر خاک ہُوا۔ دھُول ہُوا ـــ میرا سر ہُوا ـــ!" شکاری صاحب جھنجھلا کر بولے۔

"اور اُس کے بعد کیا ہُوا؟"

"اُس کے بعد چیتے نے مجھے کھا لیا ـــ" شکاری صاحب نے
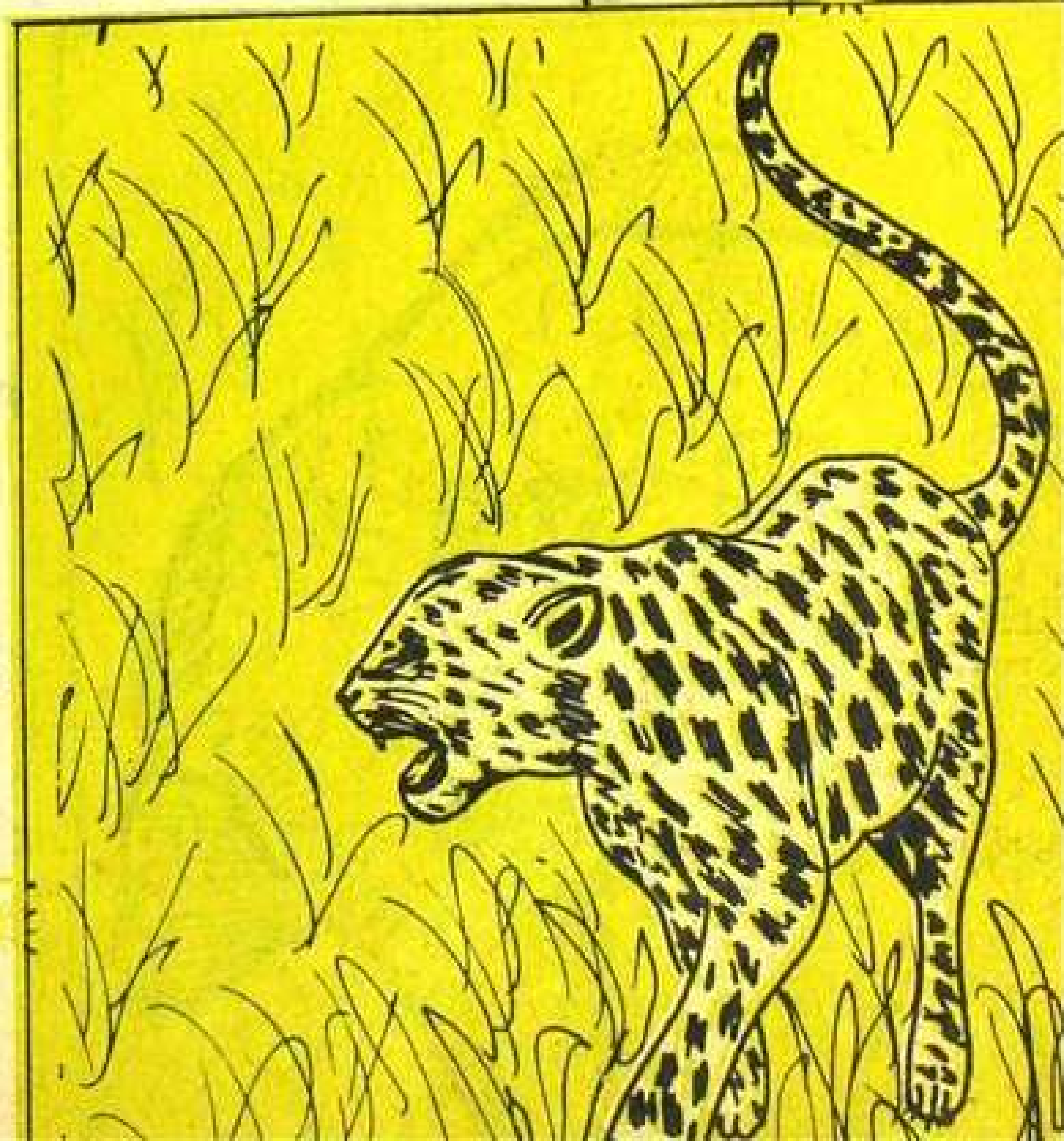
غصّے سے جھنجھلاتے ہُوئے جواب دیا اور پھر کبھی اُنھوں نے بچّوں کے سامنے کہانیاں نہیں سُنائیں۔

قریب پہنچ کر ہمیں معلوم ہُوا کہ شکاری صاحب آج بھُوتوں کی دل چسپ باتیں کر رہے ہیں۔ ہم نے اِس سے پہلے اُن سے بے شُمار قِصّے سُنے تھے، لیکن بھُوتوں کا ذکر اُنھوں نے کبھی نہیں کِیا تھا۔ آج پہلی مرتبہ یہ موضُوع چھِڑا تھا۔

بہت دیر ہو چکی تھی۔ ہمیں واپس اپنے گاؤں بھی پہنچنا تھا، اِس لیے مَیں نے اپنے دوست سے کہا کہ فوراً نمبردار صاحب کو گُڑ دے کر مالی کے متعلق پُوچھ کر سیدھے واپس اپنے گاؤں چلیں بہت دیر ہو چکی ہے، لیکن وہ بولا :

"کچھ بھی ہو، شکاری صاحب سے بھُوتوں کے متعلّق کہانی تو آج ضرور سُنیں گے۔"

ہم ایک کونے میں جم کر بیٹھ گئے۔ وہ ایک شخص کا قِصّہ سُنا رہے تھے جو ہر روز صُبح کی نماز پر غیر حاضر ہوتا تھا، لیکن بقیّہ چاروں نمازیں مسجد میں ادا کرتا۔ لوگ اُس

سے وجہ پُوچھتے تو ٹال مٹول کر جاتا۔ آخر جب گاؤں والوں نے بہت زیادہ مجبُور کیا تو اُس نے بتایا کہ جب وُہ صُبح سویرے اپنے گھر سے نِکلتا ہے تو ایک بھیانک سی چیز اُس کے سامنے آ کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ یہ چیز بالکل سیاہ ہوتی ہے اور اُس کا راستہ روک لیتی ہے۔ ڈر کر اُسے واپس لوٹنا پڑتا ہے۔

یہ سُن کر سب لوگ اُس کا مذاق اُڑانے لگے کہ کیسا ڈرپوک اِنسان ہے۔ بُزدل کہیں کا۔

ایک دن ایک بزرگ نے ترکیب بتائی کہ اگر تم اُس چیز پر قابُو پانا چاہتے ہو تو صبح کو اپنے دونوں ہاتھوں پر سیاہی مَل کر نِکلو، جُونہی وُہ سایہ سامنے آئے ہمّت کر کے سیاہی اُس کے مُنہ پر مَل دو۔ اِس تجویز پر تو وہ آدمی اور بھی ڈرا، لیکن بزرگ نے اُس کو ہمّت بندھائی اور چار و ناچار وہ تیّار ہو گیا۔

اگلی صبح کو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ شخص ہنستا ہُوا چلا آ رہا ہے۔ مسجد میں پہنچتے ہی بڑے فخر سے بولا :

" بھائیو ! آج مَیں نے اُس
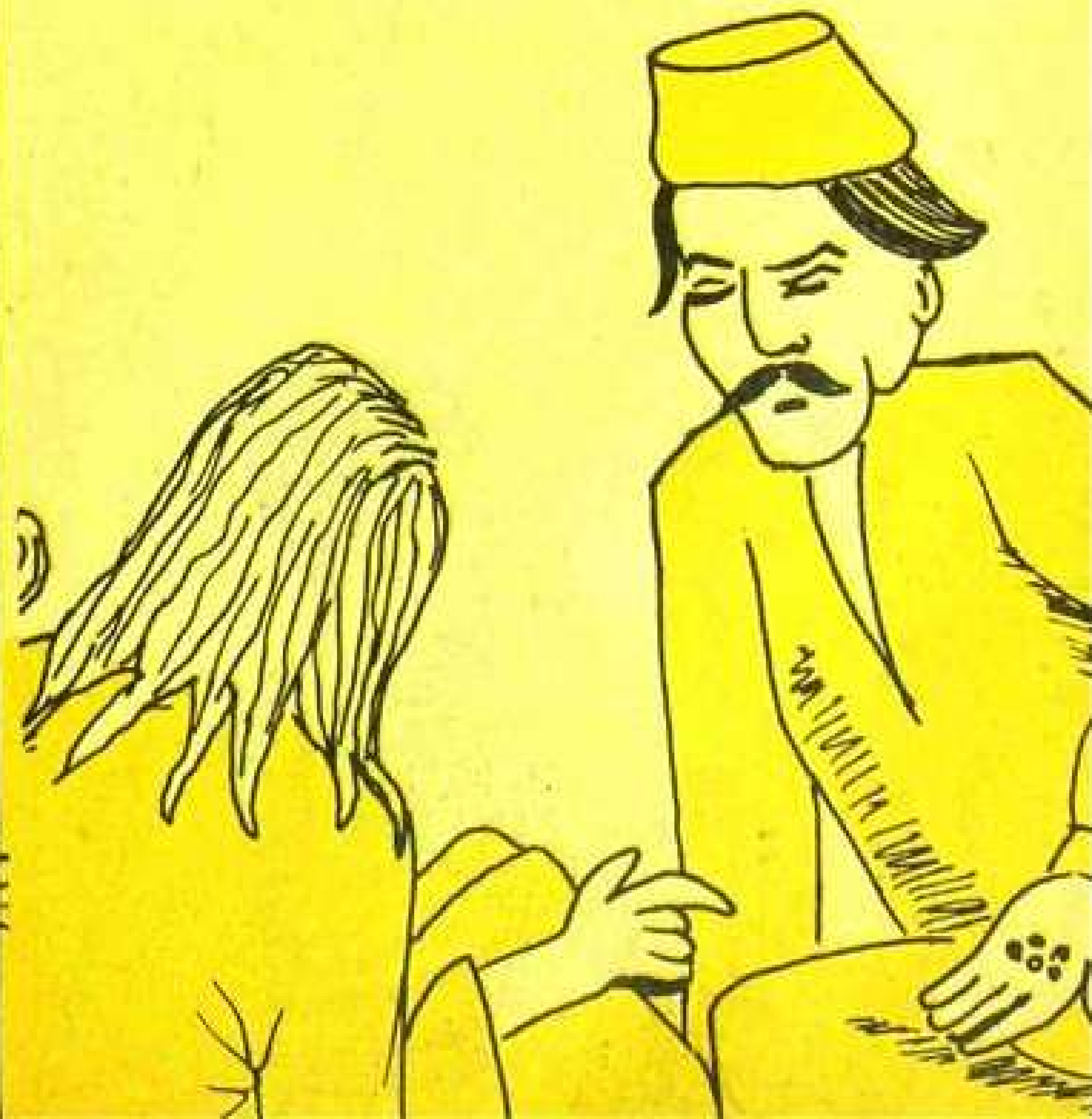
بھیانک سائے کے مُنہ پر سیاہی مَل دی ہے۔"

لیکن لوگوں نے دیکھا کہ ساری سیاہی اُس کے اپنے چہرے پر مَلی ہُوئی تھی۔ در اصل وہ اپنے وہم سے خوف زدہ تھا۔ سایہ وایہ کچُھ نہیں تھا۔ اُس کا وہم اُسے ڈرایا کرتا تھا۔

یہ کہانی سُنا کر شکاری صاحب نے حُقّے کے کئی ایک کش لگائے اور اپنی سفید مُونچھوں کو تاؤ دے کر بولے:

"مَیں کئی مرتبہ آسیب زدہ مکانوں میں رہا ہُوں۔ بے شمار بھُوتوں سے واسطہ پڑا ہے۔ یہ بھُوت دو قِسم کے تھے۔ کچُھ بھُوت تو ایسے تھے جو آسیب زدہ مکانوں میں کافی عرصے سے رہتے تھے، جنھوں نے میری موجودگی کو بالکل محسُوس نہیں کیا اور نہ کبھی بُرا مانا۔ اُنھیں دیکھ کر مَیں اِدھر اُدھر ہو جایا کرتا تھا اور وُہ مُجھے دیکھ کر ٹَل جاتے۔ دُوسری قِسم کے بھُوت وُہ تھے جو مکانوں میں نئے نئے آتے تھے، اور جنھیں میری موجُودگی ناگوار محسوس ہُوئی۔ وہ میری چارپائی، بستر اور میزیں
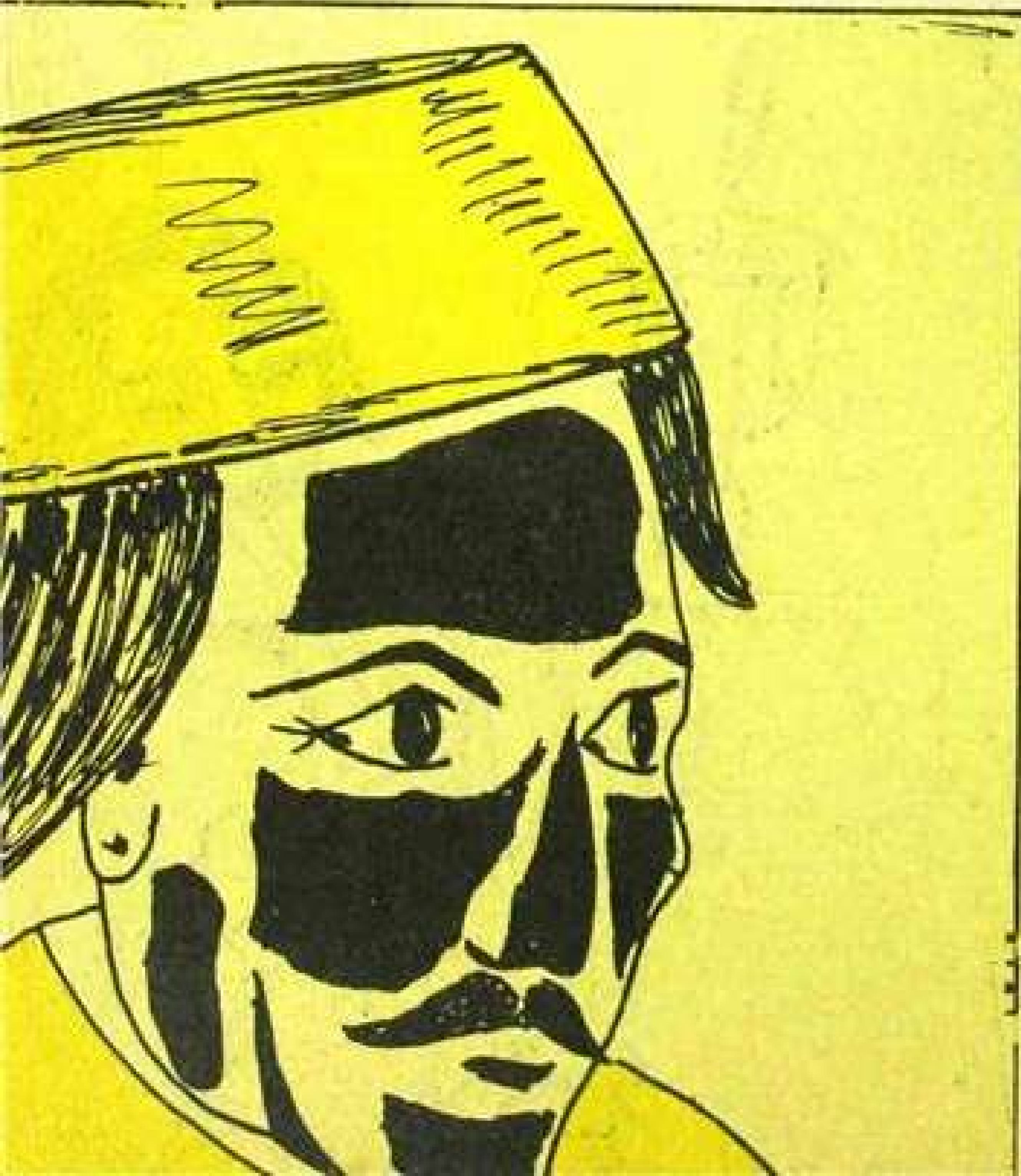
وغیرہ کھینچ کر یہ ظاہر کرتے رہتے تھے کہ وہ اکیلے ہی یہاں رہنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ایسے موقعوں پر مَیں مکان بدل لیا کرتا تھا۔ اِن دو قسموں کے علاوہ تیسری قِسم کے کِسی بھُوت سے کبھی آمنا سامنا نہیں ہُوا تھا۔ لیکن اِس گاؤں میں آکر ایک ایسے بھُوت سے بھی مُجھے واسطہ پڑا جو خواہ مخواہ میرے پیچھے لگ گیا۔ بِلا کسی وجہ کے!"

مَیں نے اپنے دوست کو ایک مرتبہ پھر یاد دلایا کہ اگر ہم فوراً نمبردار صاحب سے مِل کر واپس اپنے گاؤں روانہ نہ ہُوئے تو گھر والے بہت خفا ہوں گے۔ لیکن وُہ نہ مانا۔

شکاری صاحب حُقّے کا کَش لگا کر بولے:

"ہاں! تو مَیں نے اُس بھُوت کو نہ کبھی چھیڑا، نہ ہی خفا ہونے کا موقع دیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بھُوت اور مَیں ایک دُوسرے کے لیے بالکل اجنبی تھے۔ ہُوا یُوں کہ کھیتوں میں پانی دینے کی باری رات کو آئی۔ گھڑی دیکھ کر رات کے پُورے ساڑھے دس بجے مَیں

گھر سے نِکلا۔ پگ ڈنڈی والا راستہ ذرا لمبا تھا۔ لہٰذا مَیں نے سوچا کہ کھیتوں میں سے ہو کر نِکل جاؤں تو جلدی پہنچ جاؤں گا۔ راستے میں ایک پُرانا مَرگھٹ آتا تھا جہاں ہِندُو اپنے مُردے جلاتے ہیں۔ مَرگھٹ میں جو کِیکر کے چار درخت ہیں، اُن کے پاس سے گزُرتے ہُوئے مُجھے یُوں محسوس ہُوا، جیسے کوئی میرے پیچھے پیچھے آ رہا ہے۔ مَیں تیز تیز چلنے لگا۔ اُس نے بھی رفتار تیز کر دی۔ مَیں آہستہ ہُوا۔ وہ بھی آہستہ ہو گیا۔ گھبرا کر مَیں نے بھاگنا شروع کر دیا۔ وہ بھی پیچھے پیچھے سرپٹ بھاگا۔ میری ہمّت جواب دے رہی تھی۔ آخر کار مَیں رُک گیا۔ وہ بھی رُک گیا۔ مَیں ڈر کے مارے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ پیچھے مُڑ کر دیکھتا ہُوں تو ایک ہَونّق سی شکل سامنے کھڑی تھر تھر کانپ رہی ہے۔

خوف کے مارے میرے مُنہ سے نِکلا "ہی، ہی، ہی، ہی!" اُس نے بھی دہشت زدہ ہو کر کہا: "ہی، ہی، ہی، ہی!" دیکھنے میں وُہ اوسط درجے کا بھُوت تھا یعنی
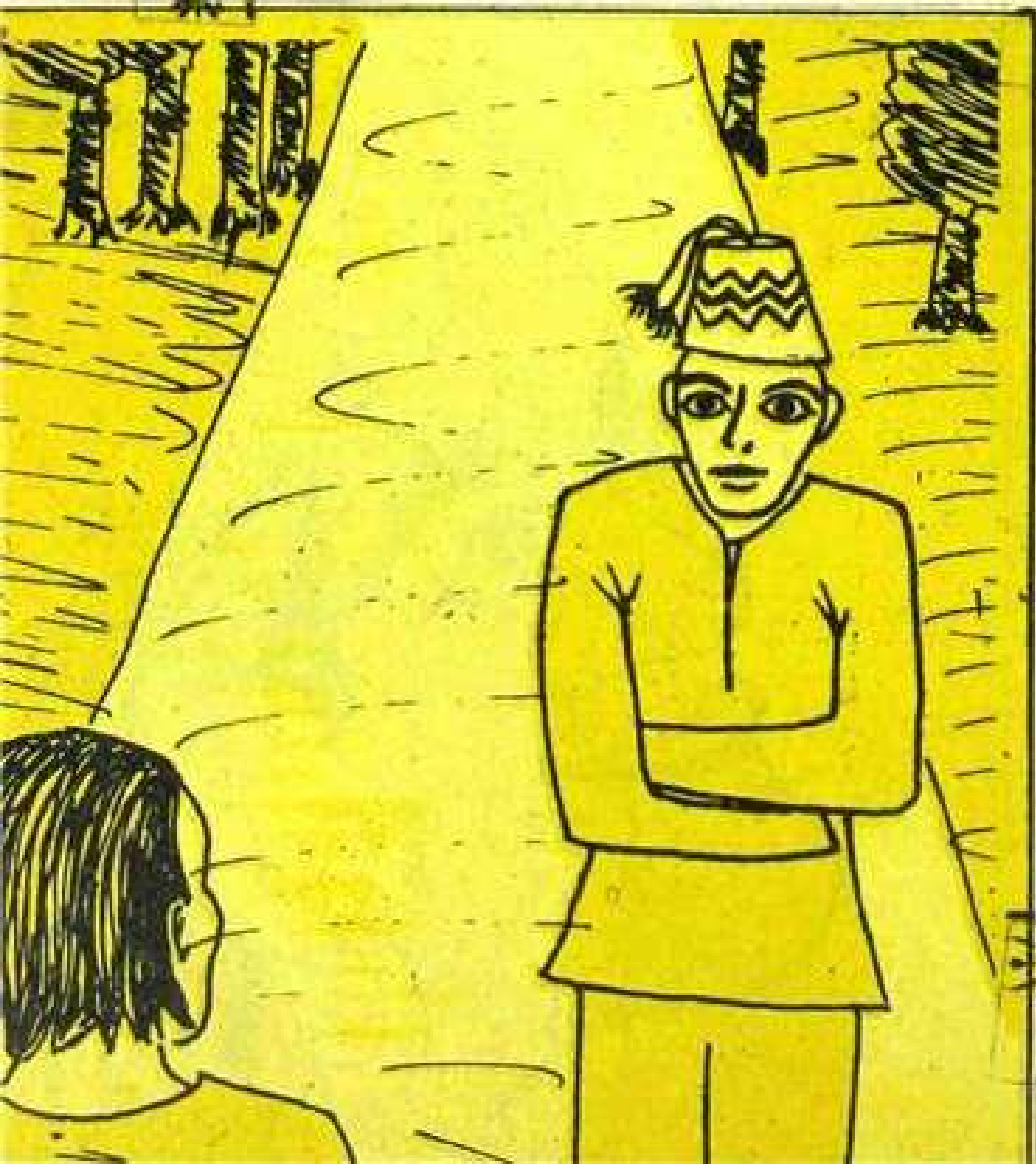
اُس کی شکل نہ تو کچھ ایسی اچھّی تھی اور نہ ہی ڈراونی۔ کچھ دیر ہم ایک دُوسرے کو دیکھ کر کانپتے اور ہی ہی کرتے رہے۔

آخر مَیں نے دلیر بن کر اپنے آپ سے کہا :

"چلو بھئی! گیارہ بجے پانی لگانا ہے۔"

اُس نے بھی میری نقل اُتارتے ہوئے کہا :

"چلو بھئی! گیارہ بجے پانی لگانا ہے۔"

مَیں اپنے کھیتوں کی طرف چل دیا۔ وُہ بھی میرے پیچھے ہو لیا۔ وہاں پہنچ کر مَیں نے کدال سے نالے میں شگاف کیا۔ اُس کے ہاتھ خالی تھے لیکن پھر بھی اُس نے میری نقل اُتاری۔ کھیت میں پانی آنے لگا اور مَیں ایک طرف مٹّی کے ڈھیر پر بیٹھ گیا۔ وہ بھی سامنے بیٹھ گیا اور مجھے گھورنے لگا۔

میرا ڈر اور خوف آہستہ آہستہ ختم ہو رہا تھا اور اب مجھے غصّہ آ رہا تھا۔ آخر یہ بھوت چاہتا کیا ہے؟ کیا یہ نہیں جانتا کہ شریف آدمیوں کو بلا وجہ گھورنا اِنتہا درجے کی بدتمیزی ہے؟ پورے تین گھنٹے

مَیں وہاں رہا اور پُورے تین گھنٹے وُہ ٹِک ٹکی باندھے میری طرف دیکھتا رہا۔

پھر مَیں نے سوچا کہ اَیسے غیر مُہذّب بھُوت کو نظر انداز کرنا چاہیئے۔ چنانچہ مَیں اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ حتّٰی کہ ڈھائی بج گئے۔ مَیں نے اپنی جگہ سے اُٹھتے ہُوئے ایک انگڑائی لے کر گھڑی دیکھی اور اپنے آپ سے کہا :

"پانی بند کر کے گھر چلتے ہیں۔"

اُس نے بھی انگڑائی لی، کلائی کو دیکھا اور بولا :

"پانی بند کر کے گھر چلتے ہیں۔"

واپسی پر وُہ مَرگھٹ تک ساتھ آیا اور کیکر کے چار درختوں کے پاس غائب ہو گیا۔ کئی دنوں تک مَیں اُس بھُوت کے متعلّق سوچتا رہا۔

اگلے ہفتے میری باری پھر رات کو آئی۔ مجُھے پگ ڈنڈی والا راستہ لینا چاہیئے تھا۔ پھر خیال آیا کہ شاید یہ نِرا وہم ہی ہو یا پھر ہو سکتا ہے کہ بھوُت کو غلط فہمی ہوئی ہو اور

اس نے مجھے کوئی اور شخص سمجھا ہو۔ میں پھر مرگھٹ والے راستے سے گزرا۔ کیکر کے درختوں کے پاس میں اور بھوت پھر آگے پیچھے چل رہے تھے۔ اس رات بھی وہ میری نقلیں اتارتا رہا۔ میں اپنی کمر کو کھجاتا۔ وہ بھی اپنی کمر کو کھجاتا۔ میں نے دو چھینکیں ماریں۔ اس نے بھی فوراً ہی دو چھینکیں مار دیں۔ میں کھانسا۔ وہ بھی کھانسا۔

پوری طرح غصّہ تو مجھے اس وقت آیا، جب میں نے ایک فلمی گانا شروع کیا اور اس نے بھی بھونڈی آواز میں نقل اتاری۔ میرے دوست، احباب سب جانتے ہیں کہ میری آواز ماشاء اللہ کافی سریلی ہے اور میں دھنوں سے بھی بخوبی واقف ہوں۔ ایسے نفیس گیت کا یوں ستیاناس ہوتے دیکھ کر میرا برا حال ہو گیا۔

اگلے روز میں ایک بزرگ کے پاس گیا اور ان سے درخواست کی کہ ایسے بدتمیز اور بدذوق بھوت سے میرا پیچھا چھڑائیے۔

انھوں نے میرے لیے دعا مانگی اور ایک تعویذ دیتے ہوئے فرمایا کہ

مَیں اِسے داہنے بازو پر باندھ لُوں۔ لیکن کچھ دیر سوچنے کے بعد اُنھوں نے تعویذ واپس لے لیا اور فرمایا :

" اگر بھُوت ہُو بہُو وہی کرتا ہے جو تم کرتے ہو تو اُس سے محنت مشقّت کیوں نہیں کراتے ؟ اُس سے کھیتوں میں گوڈی کراؤ۔"

چنانچہ رات کو مَیں نے دو کھُرپے، دو درانتیاں اور دُوسرے اوزار سنبھالے۔ مرگھٹ کا راستہ لیا۔ کیکر کے درختوں سے بھُوت کو پکڑا اور کھیتوں میں پہنچ کر گوڈی شروع کر دی۔ نقل اُتارنے کا تو وہ ماہر تھا۔ فوراً گوڈی کرنے لگا۔ جب میں تھک کر اپنے ماتھے سے پسینا پونچھتا تو وہ بھی اپنے ماتھے سے پسینا پونچھتا۔ مَیں گوڈی چھوڑ کر سانس لیتا تو وہ بھی ہانپتا ہُوا میرے سامنے آ بیٹھتا اور مجھے گھُورنے لگتا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم دونوں پھر سرگرمی سے اپنے اپنے کام میں مشغُول ہو جاتے۔
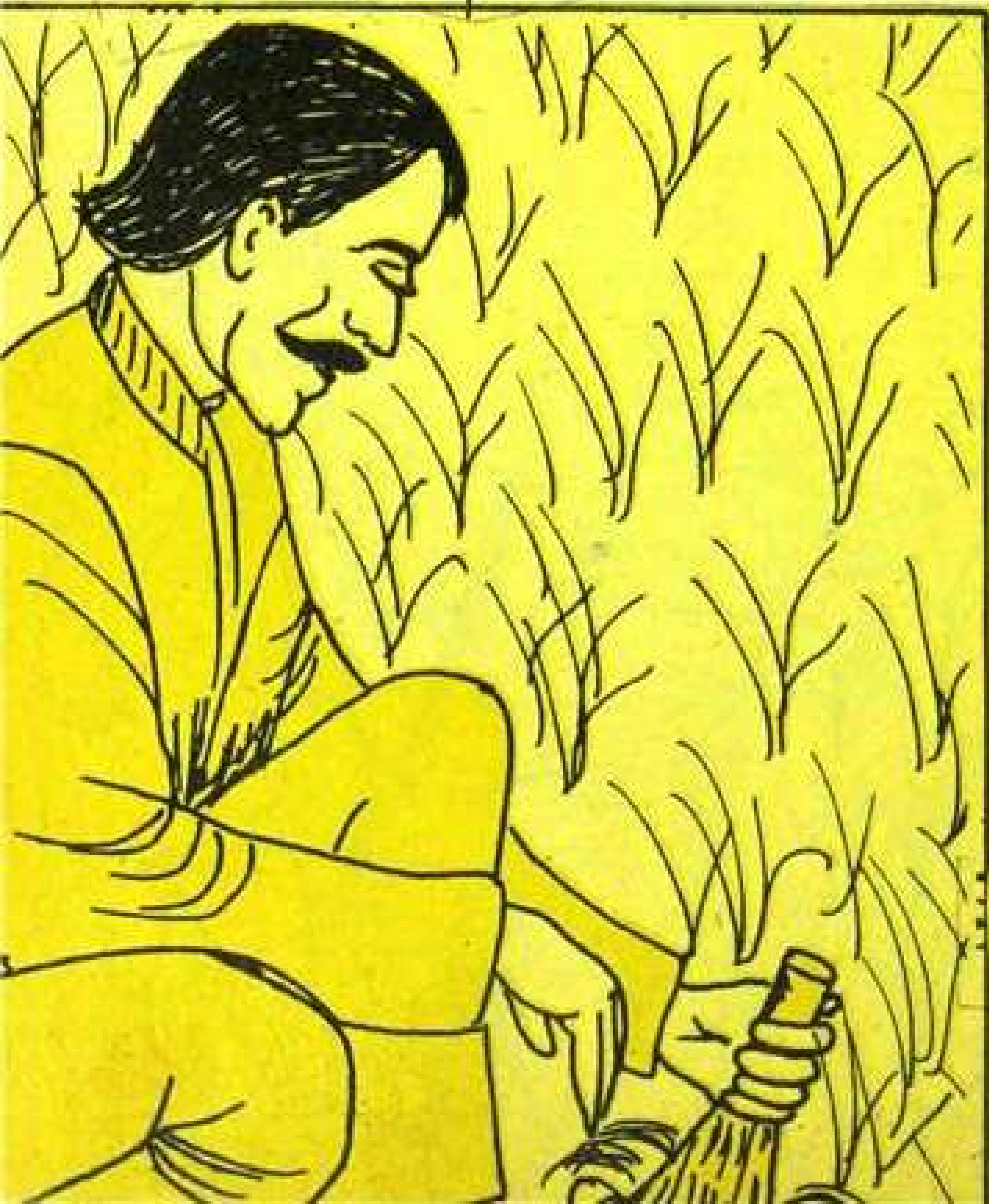
تب مَیں نے سوچا کہ یہ بھُوت اِتنا بُرا نہیں ہے۔ فقط اُسے گھُورنے کی بے ہُودہ عادت کہیں سے پڑ گئی ہے۔ اگر کسی طرح یہ عادت

چھڑا دی جائے تو یہ اچھا خاصا معقول بھُوت بن سکتا ہے۔
صبح کے چار بجے تک مَیں نے اُس سے خوُب کام لیا، پھر تھک کر کھُرپا ایک طرف پھینک دیا اور کہا :
"بہُت تھک گئے ہیں، اب چلنا چاہیئے۔"
اُس نے بھی کھُرپا پھینکتے ہُوئے کہا :
"بہُت تھک گئے ہیں، اب چلنا چاہیئے۔"
مَیں خُوش خُوش گھر پہنچا۔ مَیں نے ارادہ کر لیا کہ اگر یہ بھُوت کھیتی باڑی میں میرا ہاتھ بٹانے کے لیے تیار ہے، تو اُسے معمُولی سی تنخواہ دے دیا کروں گا۔
لیکن دُوسرے دن صبح جب مَیں کھیتوں پر گیا تو کیا دیکھتا ہُوں کہ فقط اُس حِصّے میں گوڈی ہُوئی تھی جس میں مَیں نے کام کیا تھا۔ جس حِصّے میں بھُوت ہاتھ چلاتا رہا تھا وہ گھاس پھُونس سے ویسے کا ویسا ہی بھرا ہُوا تھا۔
مجُھے اِس قدر غصّہ آیا کہ بیان نہیں کر سکتا۔ آخر یہ بھُوت مجھے سمجھتا کیا ہے؟

میں سیدھا اُن بزرگ کے پاس گیا اور التجا کی :

"حضرت ! ایسے نکمّے، کام چور اور بدتمیز بھوت کی میں شکل تک نہیں دیکھنا چاہتا۔"

انھوں نے مجھے کافی تسلّی دی اور حسبِ معمول میرے لیے دعا کی اور ایک تعویذ دے کر فرمایا :

"یہ اپنے بائیں بازو پر باندھ لو۔"

پھر کچھ سوچ کر تعویذ واپس لے لیا اور میرے کان میں کچھ سرگوشیاں کیں جن کا تعلّق بھوت سے تھا۔

میں یہ بتانا تو بھول ہی گیا کہ وہ بھوت روز بروز بہت بدتمیز ہوتا جا رہا تھا۔ شروع شروع میں تو وہ مجھ سے دو تین گز کے فاصلے پر رہتا تھا، لیکن اب وہ قریب آتے آتے بالکل ساتھ آ کھڑا ہوتا، گستاخیاں کرتا۔ منہ چڑاتا۔ غرض کہ وہ میرے ساتھ ایسی بے تکلفی برتتا جیسے برسوں کا واقف بھوت ہو۔

اُس دن تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہ بھوت اب بالکل نہیں سدھر سکتا۔

لہٰذا مَیں نے بزرگ کی ہدایت پر عمل کرتے ہُوئے اپنے کھیت میں دو گڑھے کھودے۔ ایک کو فقط مٹّی اور راکھ سے بھرا اور اُوپر ایک بڑی ساری اِینٹ رکھ دی۔ دُوسرے گڑھے میں کوئلے اور لکڑیاں ڈال کر دیا سلائی دکھائی اور اُوپر راکھ ڈال کر وَیسی ہی اِینٹ رکھ دی۔

رات کے گیارہ بجے مرگھٹ کا رُخ کیا۔ کیکر کے درختوں کے پاس بھُوت انتظار کر رہا تھا۔ اُسے ساتھ لے کر کھیتوں میں پہُنچا۔ اُس رات اُس سے طرح طرح کے تماشے کرائے۔ مَیں نے چھلانگیں لگائیں، بھُوت نے بھی چھلانگیں لگائیں۔ مَیں نے بَیٹھکیں نکالیں تو اُس نے بھی نکالیں۔ نئی فِلمی دُھنیں گائیں اور بھُوت نے فوراً ہی اچھّے بھلے گانوں کا بیڑا غرق کر دیا۔ غرض کہ چار پانچ گھنٹوں میں تھک کر چُور ہو گیا۔ اُدھر بھُوت کی حالت بھی قابلِ رحم تھی۔

آخر مَیں نے انگڑائی لے کر کہا:

"تھک گئے بھئی!"

اُس نے بھی انگڑائی لے کر کہا:

"تھک گئے بھئی!"

پھر مَیں نے گڑھوں کی طرف چلتے ہُوئے کہا :
"کہیں بَیٹھ کر ذرا سستا لیں ۔"
وہ بھی گڑھوں کی طرف چلتے ہُوئے کہنے لگا :
"کہیں بَیٹھ کر ذرا سستا لیں ۔"
مَیں نے کُدال کو زمین پر پھینک دیا ۔
اُس نے بھی کُدال کو زمین پر پھینک دیا ۔
مَیں جلدی سے بھاگ کر ٹھنڈی اِینٹ پر بَیٹھ گیا ۔
بھُوت بھی جلدی سے بھاگ کر دُوسری اِینٹ پر بیٹھ گیا ، جو آگ کی وجہ سے دہک رہی تھی ۔ بس پھر کیا تھا ۔ بَیٹھتے ہی بھُوت نے ایسی دہشت ناک چیخ ماری کہ مَیں ایک دم ڈر گیا ۔ آپ سب تو جانتے ہی ہیں کہ بھُوت آگ سے ڈرتے ہیں ۔

قِصّہ مختصر یہ کہ اُس رات سے بھُوت ایسا غائب ہُوا ، جیسے کبھی تھا ہی نہیں ۔ کئی دن تک مَیں مرگھٹ کی طرف سے گزُرتا رہا ۔ لیکن اس کے بعد بھُوت پھر کبھی دکھائی نہیں دیا ۔

شکاری صاحب نے کہانی ختم کرنے کے بعد اپنی مونچھوں کو تاؤ دیا اور حقّے کے لمبے لمبے کش لگانے لگے۔

ہم نے نمبردار صاحب کو اِدھر اُدھر تلاش کیا تو پتا چلا کہ وہ تو کبھی کے جا چکے ہیں۔ واپسی پر کتّوں کے لشکر نے ہمیں پھر گھیرا اور مَیں نے اِس پھُرتی سے لٹھ گھُمایا کہ وار میرے دوست کی کمر پر پڑا۔ گُڑ کی پوٹلی اُس کے ہاتھ سے گر گئی اور پھر ہم سرپٹ اپنے گاؤں کی طرف بھاگے۔

راستے میں ہم نے فیصلہ کیا کہ گھر والوں سے کہہ دیں گے کہ "گُڑ کُتّے کھا گئے" اور لالٹین بھی اُنہی نے توڑ دی۔

ہمیں پگ ڈنڈی کا لمبا راستہ لینا چاہیئے تھا، لیکن جلدی میں ہم سیدھے کھیتوں کی طرف جا رہے تھے۔ مَرگھٹ کو پار کر کے جب کیکر کے چار درخت آئے تو ہم بالکل نہیں ڈرے دراصل ہم بے حد خوش تھے۔ کیونکہ ہمیں بھُوتوں کو دفع کرنے کا آسان ترین نسخہ معلوم ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر میمونہ انصاری

مچھو
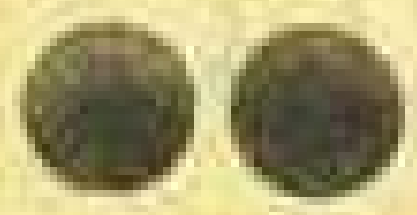
ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں ایک بہت غریب آدمی رہا کرتا تھا۔ اس کی بیوی مر چکی تھی۔ بس ایک پیاری سی بیٹی اُس کے ساتھ تھی۔ دونوں باپ بیٹی بہت خوش خوش زندگی گزار رہے تھے۔ یہ لڑکی بہت رحم دل اور خوش مزاج تھی۔ وہ اپنے ابّو کا حکم مانتی اور چھوٹے چھوٹے کام کر کے ان کو آرام پہنچانے کی کوشش کرتی۔

وقت گزرتا رہا۔ ایک دن ایک جوان عورت اُن کی جھونپڑی میں آئی۔ وہ بھوکی تھی۔ لڑکی نے، جس کا نام بانو تھا۔ رحم کھا کر گھر میں شام کے لیے جو چاول رکھے ہوئے تھے، وہ اُس کو کھلائے۔ اُس کے ابّو نے اسے پانی پینے کو دیا۔

وہ جوان عورت جھونپڑی ہی میں رہنے لگی ۔ کیوں کہ اس نے کہا تھا کہ میرا کوئی گھر نہیں ہے ، اور میں دُنیا میں بالکل اکیلی بھی ہُوں ۔ پھر ابّو نے اس عورت کے ساتھ شادی کر لی اور بانو سے کہا :

" یہ تمُھاری ماں ہے ! "

شروع شروع میں تو بانو بہت خوش تھی ۔ کیونکہ اُس کی نئی ماں اس کے بال بناتی ، کنگھی کرتی ، اس کے اچھّے اچھے کپڑے سِیتی اور اسے محبّت سے کہانیاں سُناتی ۔ لیکن رفتہ رفتہ حالات بدلتے گئے اور بانو کی جھونپڑی پر اس عورت کا قبضہ ہو گیا ۔ جب بانو اکیلی ہوتی تو اس کی سوتیلی ماں اُسے بُہت مارتی پیٹتی اور اُسے کھانا بھی نہ دیتی ۔ بس رُوکھے سُوکھے ٹکڑے اسے کھانے کو دیے جاتے ۔ اور جب بے چاری بانو اپنے ابّو سے ماں کی شکایت کرتی تو ابّو اس پر اُلٹے خفا ہوتے ۔ وہ بھی اب بالکل بدل گئے تھے ۔ بانو بے چاری کی بڑی مشکل تھی ، اس کا

کوئی دوست اور ہمدرد اِس دُنیا میں نہ تھا۔

ایک دن اس کے ابّو کسی کام کے سلسلے میں دُور کے گاؤں میں چلے گئے اور بانو اپنی سوتیلی ماں کے پاس اکیلی رہ گئی تو اُسے سُوکھی روٹی دی گئی کہ یہ صبح کا ناشتہ ہے۔

بے چاری بانو جھونپڑی کے باہر کھیت میں چلی گئی، جہاں بیٹھ کر وہ رونے لگی۔ اِتنے میں اس کی نظر ایک چھوٹی سی چُوہیا پر پڑی جو للچائی نظروں سے سُوکھی روٹی کو دیکھ رہی تھی۔ بانو سمجھی کہ وہ غریب بھُوکی ہے۔ اُس نے روٹی کا ایک ٹکڑا توڑ کر چُوہیا کو دے دیا۔ چُوہیا اُس کو کُتر کُتر کر کھا گئی۔ پھر بانو نے ایک اور ٹکڑا دیا، چوُہیا وُہ بھی کھا گئی۔

بانو نے سوچا، یہ بے چاری چھوٹی سی چُوہیا تو بُہت بھُوکی معلوم ہوتی ہے۔ بانو خود بھی بہت بھُوکی تھی، بس یہی ایک سُوکھا ٹکڑا تھا جو اس کا پیٹ بھرتا۔ لیکن بانو بہت رحم دل تھی چنانچہ وُہ چوُہیا کی بھُوک کے سامنے اپنی بھوُک کو بھُول گئی اور پُوری روٹی اُسے
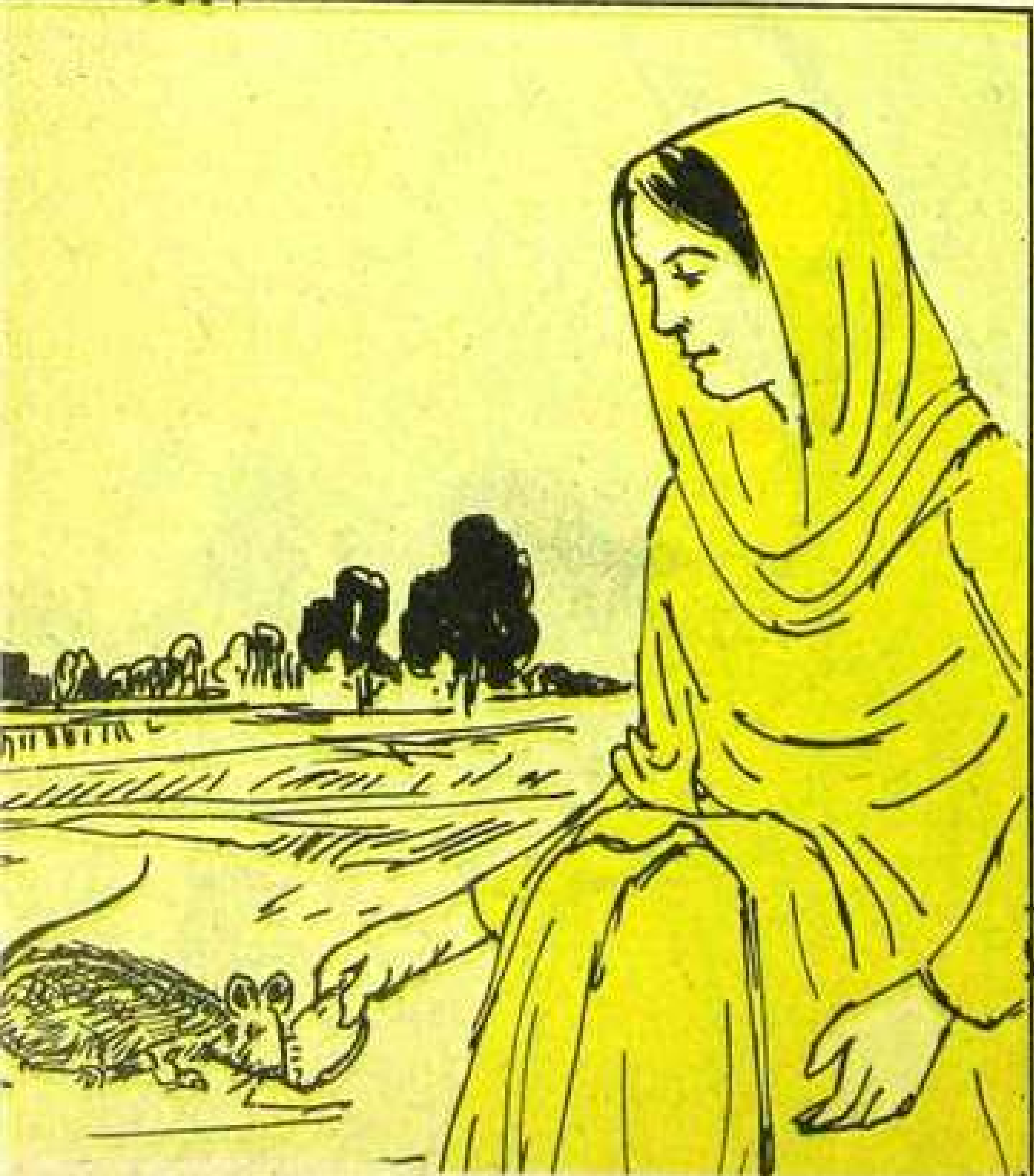
کھلا دی ۔ روٹی کھانے کے بعد چوہیا بولی :
" بانو ! تم بہت رحم دل ہو ۔ تم نے میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا ہے ۔ میں بھی تمھیں اس کا بدلہ دینا چاہتی ہوں ۔"
بانو، چوہیا کو بولتا سن کر بہت گھبرائی اور حیران ہوئی لیکن وہ خوش بھی تھی کہ اللہ میاں نے اس کو ایک سہیلی دے دی ۔ کم از کم وہ چوہیا سے باتیں تو کر سکے گی ۔
چوہیا نے کہا :
" بانو ! تمھاری سوتیلی ماں مخنچو مائی کی بہن ہے ۔"
بانو نے حیران ہو کر پوچھا :
" یہ مخنچو مائی کون ہے ؟"
" اچھا تو تم نہیں جانتی اُسے ! وُہی چڑیل جو بچّوں کو ہڑپ کر جاتی ہے ۔" چوہیا بولی ۔
بانو سہم گئی ۔
پھر چوہیا نے بتایا :
" آج تمھاری سوتیلی ماں تمھیں مخنچو مائی کے پاس سوئی دھاگہ لینے کے بہانے بھیجے گی ۔ تم ہوشیار رہنا ۔

اگر ایسا ہو تو مجھے بتا دینا۔

پھر چوہیا خدا حافظ کہہ کر غائب ہو گئی۔

جب بانو جھونپڑی میں گئی تو اس کی سوتیلی ماں بولی :

" اری بانو ! تو اتنی دیر سے کہاں تھی۔ میں کب سے انتظار کر رہی ہوں۔ ذرا جا اور اپنی خالہ مخنخو سے سوئی دھاگہ تو لے آ۔"

بانو گھبرا گئی۔ اسے چوہیا کی بات یاد آ گئی تھی۔

اس نے ڈرتے ڈرتے کہا :

" سوئی دھاگہ تو گھر میں ہے۔"

پھر ماں نے اسے ڈانٹا :

" میں جو کہتی ہوں، ویسا ہی کرو۔ چلو جاؤ۔"

لیکن امّی ! ابھی تو میں بہت چھوٹی سی ہوں۔ میں تو راستہ ہی نہیں جانتی۔"

ماں نے اسے سخت ڈانٹا اور دو تھپّڑ بھی لگا دیے اور کہا :

" ناک کی سیدھ میں چلی جا اور لے یہ راستے میں کھا لینا۔" ماں نے کاغذ کا ایک بھاری پیکٹ اسے تھما دیا۔

بے چاری بانو نے بہت چاہا کہ کسی نہ کسی بہانے سے وہ چوہیا کو اطلاع دے دے، لیکن ماں اُسے گھسیٹتی ہوئی بہت دُور تک چھوڑ آئی۔

بے بس ہو کر بانو نے چلنا شروع کر دیا۔ آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ اس کی اپنی پیاری ماں آج اُسے بہت زیادہ یاد آ رہی تھی۔ چلتے چلتے اچانک ایک جگہ اُسے ٹھوکر لگی تو وہ گر پڑی۔ اب اُس نے جو زمین پر نظر ڈالی تو حیران رہ گئی۔ اُسے چوہیا کی چمک دار آنکھیں اور ہلتی ہوئی مُونچھیں نظر آئیں۔

"بانو، دیکھا میری بات ٹھیک تھی نا۔" چوہیا نے کہا۔

چوہیا کو دیکھ کر بانو بہت خوش ہوئی۔ وہ وہیں زمین پر بیٹھ گئی اور کہنے لگی:

"اے رحمدل چوہیا! مجھے کوئی ایسی ترکیب بتاؤ، تاکہ مخنخو چڑیل مجھے ہڑپ نہ کر سکے اور میری جان بچ جائے۔ میں اس وقت بہت پریشان ہوں۔"
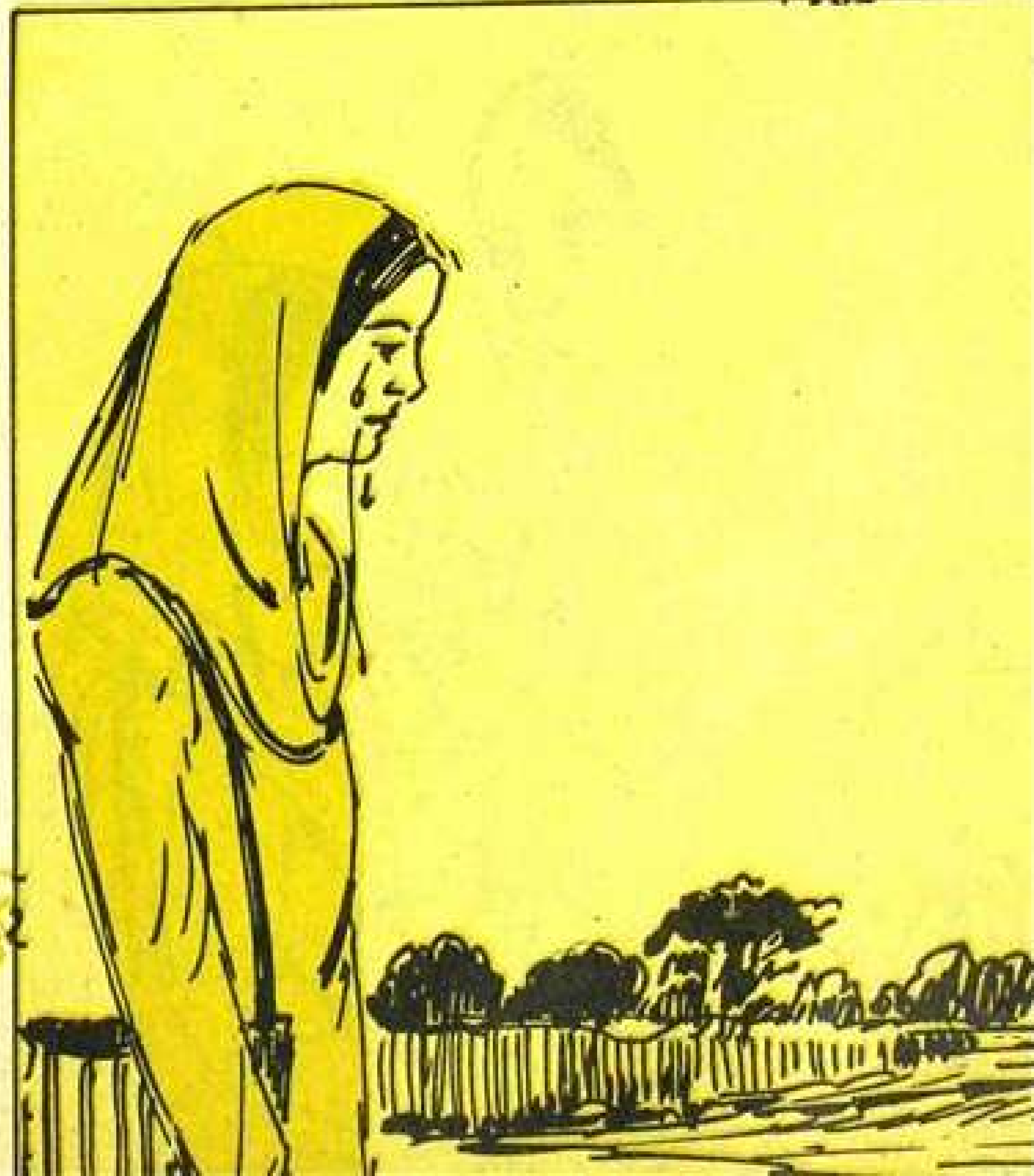
چوُہیا بولی :

" تم فکر نہ کرو ۔ راستہ میں جو چیز بھی تمھیں پڑی ملے وہ اُٹھا کر اپنے تھیلے میں ڈال لو۔ پھر اللہ مالک ہے ۔ تم بے فکر ہو کر منّنھو کے پاس چلی جاؤ ۔"

"شکریہ چوُہی بی !" لڑکی نے کہا ۔ " اور ہاں ! کیا تم بھوُکی ہو چوُہیا بی ! دیکھو میری سوتیلی ماں نے مجھے یہ ناشتہ دیا ہے ۔ تم کچھ کھا لو ۔"

لڑکی نے تھیلے میں سے پیکٹ نکالا ۔ اب جو اُس نے وہ پیکٹ کھولا تو اُس میں سے چھوٹے چھوٹے پتھّروں کے سوا کچھُ نہ تھا ۔ بے چاری لڑکی شرمندہ ہو گئی ۔

" تت .... تت ......تم پرواہ نہ کرو ۔" چوُہیا نے کہا ۔

" ذرا آنکھیں تو بند کرو ۔"

لڑکی نے آنکھیں بند کر لیں ۔

" اب کھولو ۔"

اب آنکھیں جو کھولیں تو بانو کیا دیکھتی ہے کہ پتھّروں کی جگہ پیکٹ میں حلوہ اور پراٹھے رکھے

تھے۔ دونوں نے خوشی خوشی کھانا کھایا۔

"اچھا! خدا حافظ!" چُوہیا نے کہا۔

"خدا حافظ بی چُوہی!" اور بانو اپنے سفر پر روانہ ہوگئی۔

چلتے چلتے سب سے پہلے اُسے راستے میں ایک رنگین رُومال پڑا نظر آیا۔ اُسے چُوہیا کی بات یاد آگئی۔ اُس نے وہ رُومال اُٹھا کر تھیلے میں ڈال لیا۔ تھوڑا آگے چلنے کے بعد اُسے تیل کی بھری ہُوئی شیشی پڑی ملی۔ اُس نے وہ بھی اُٹھا کر تھیلے میں ڈالی اور آگے چل دی۔ آگے کچھ گوشت کے ٹکڑے پڑے نظر آئے، بانو نے وہ بھی اُٹھا کر تھیلے میں ڈال لیے اور آگے روانہ ہوگئی۔ کچھ اور آگے گئی تھی کہ ایک جگہ اُسے نیلے رنگ کا ایک فیتہ اور کنگھا پڑا ملا۔

"لاؤ ان کو بھی لیتی چلوں۔" اُس نے اپنے دل میں سوچا اور پھر ان کو بھی تھیلے میں رکھ لیا۔ اب وہ اپنے راستے پر چلی جا رہی تھی کہ اُس نے روٹی کا ایک ٹکڑا پڑا دیکھا۔ بانو نے چُوہیا کے کہنے پر

عمل کرتے ہوئے اُسے بھی اُٹھا کر بڑی احتیاط سے اپنے تھیلے میں رکھ لیا اور اپنا سفر جاری رکھا۔ کچھ ہی آگے جانے کے بعد اُسے زمین پر ایک تولیہ پڑا ہُوا ملا۔ اُس نے وہ تولیہ بھی اُٹھا لیا اور تھیلے میں ڈال لیا۔

اب وہ مخنچو مائی کے گھر کے سامنے تھی۔ ایک بہت بڑا پھاٹک اُسے نظر آیا۔ اُس نے جیسے ہی اندر جانے کے لیے اُسے ہاتھ لگایا۔ وہ بڑے زور سے چیخا :

"چوُں...... چرر...ر...... چوُں...... !"

لڑکی کو بڑا رحم آیا۔

"بے چارہ پھاٹک، کب سے اِس کی چُولوں میں تیل نہیں ڈالا گیا۔" اور اس نے تھیلے سے تیل والی شیشی نکالی اور سارا تیل اس کی چُولوں میں ڈال دیا۔

جب اُس نے صحن میں قدم رکھا، تو مخنچو چڑیل کی ایک باندی روتی ہُوئی نظر آئی۔ جو اس کے ظلموں سے تنگ آ چکی تھی۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا، اور

وہ اپنی آستین سے آنسو پونچھ رہی تھی۔

"کتنا اچھا ہوا؟" بانو نے دل میں سوچا کہ میں نے یہ رومال اُٹھا کر تھیلے میں ڈال لیا تھا، اور رومال نکال کر اس باندی کو دے دیا۔ اُس نے بانو کا شکریہ ادا کیا اور رُومال سے اپنے آنسو پونچھنے لگی۔

بانو آگے بڑھ گئی۔ برآمدے کے سرے پر ایک بڑا خوفناک کتّا بیٹھا تھا، وہ ایک سُوکھی ہُوئی لکڑی کا ٹکڑا کھانے کی کوشش کر رہا تھا، شاید وہ بہت بھُوکا تھا۔

"یہ بھی اچھا ہی ہُوا کہ میں نے راستے میں پڑا ہُوا روٹی کا ٹکڑا اُٹھا لیا تھا۔" بانو دل ہی دل میں بہت خوش ہُوئی اور تھیلے سے روٹی کا ٹکڑا نکال کر کُتّے کے آگے ڈال دیا۔ کُتّے نے فوراً جھپٹ کر روٹی کا ٹکڑا اُٹھا لیا اور بڑے شوق سے کھانے لگا۔

پھر لڑکی نے آگے بڑھ کر کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

"اندر آ جاؤ۔" منخنجو مائی کی خوفناک آواز آئی۔

جب بانو اندر پہنچی تو اس نے دیکھا کہ پتلی پتلی ٹانگوں والی مائی مخنخو بڑی خوفناک لگ رہی تھی۔ اُس کے دانت بہت لمبے اور بڑے بڑے تھے اور کالے کالے جیسے بھیڑیے کے ہوں اور اس کے ہاتھوں کے ناخن لمبے لمبے نوکیلے سے تھے اور وہ چرخہ کات رہی تھی۔ ایک کالی بلی اس کے پاس ہی بیٹھی تھی۔ اس کی نظریں چوہے کے بِل پر لگی تھیں۔ بلّی بے چاری سُوکھ کر کانٹا ہو رہی تھی۔ شاید وہ کئی دن سے بھُوکی تھی۔

"آداب خالہ جان!" بانو نے جھک کر سلام کیا۔

"جیتی رہو بیٹی۔" مخنخو نے جواب دیا.....

"میری امّی نے مجھے آپ کے پاس سُوئی دھاگہ لینے کے لیے بھیجا ہے، وہ دے دیں۔" بانو نے ادب سے کہا۔

"اچھا اچھا سُوئی دھاگہ!" اور وہ چڑیل زور زور سے ہنسنے لگی۔ اس کے لمبے اور نوکیلے دانت آپس میں بج رہے تھے۔ بانو کو وہ بہت بُری لگی۔

"تم چرخہ کاتو، میں تمھارے لیے

سُوئی دھاگہ لے کر آتی ہُوں۔" چڑیل نے بانو سے کہا اور بانو بیٹھ کر چرخہ کاتنے لگی۔

جب چڑیل اندر چلی گئی تو اچانک بانو کے کان میں چڑیل کی آواز آئی۔ وہ اپنی باندی سے کہہ رہی تھی:

"اِس لڑکی کو خوب اچھی طرح سے مَل مَل کر نہلاؤ۔ میں آج اِس کا بہت مزے دار قورمہ تیّار کروں گی، اور کچھ بوٹیاں تمھیں بھی کھانے کے لیے دُوں گی، کیونکہ تم کئی دن کی بھُوکی ہو۔"

جب چڑیل کی باندی پانی والا جگ تلاش کرنے کے لیے اندر آئی تو لڑکی نے اُس کی خوشامد کرتے ہُوئے کہا۔

"تم مجھے نہلانے میں جلدی نہ کرنا۔"

"اچھا....!" باندی نے اشارے سے بانو کو تسلّی دی۔ وہ خود چڑیل سے بہت خوف زدہ تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد چڑیل نے کھڑکی میں آکر پُوچھا:

"پیاری بانو! کیا تم چرخہ کات رہی ہو؟"

"جی ہاں خالہ جان!"

جب مخنچو مائی چلی گئی تو بانو نے بلّی سے پُوچھا :
" پیاری خالہ بلّی ! تم اِتنی کمزور اور سُوکھی ہُوئی کیوں ہو، اور یہ تم یہاں بیٹھی بِل کی طرف کیا تک رہی ہو ؟"
بلّی نے نہایت کمزور آواز میں میاؤں کرتے ہوئے کہا :
" کیا بتاؤں لڑکی ! مَیں نے تین دن سے کچھ نہیں کھایا ہے ، اور یہاں کسی چُوہے کی تاک میں بیٹھی ہُوں ۔"
بانو نے اپنے دل میں سوچا ، یہ بھی مَیں نے اچھّا کیا کہ گوشت کا ٹکڑا اُٹھا لیا تھا :
" لو پیاری خالہ بلّی ! یہ گوشت کھا کر اپنی بھوک مٹاؤ ۔"
بلّی بے حد خوش ہُوئی اور گوشت کھا کے بولی :
" مائی مخنچو تمھیں کھا جائے گی ۔ تم یہاں کیوں آئی ہو !"
" مَیں یہاں سے بھاگنا چاہتی ہُوں لیکن کِس طرح بھاگوں ؟"
" مَیں تمھاری مدد کرُوں گی ۔"
کالی بلّی نے کہا ۔
اسی وقت مخنچو مائی کھڑکی کے قریب آئی اور پُوچھا :
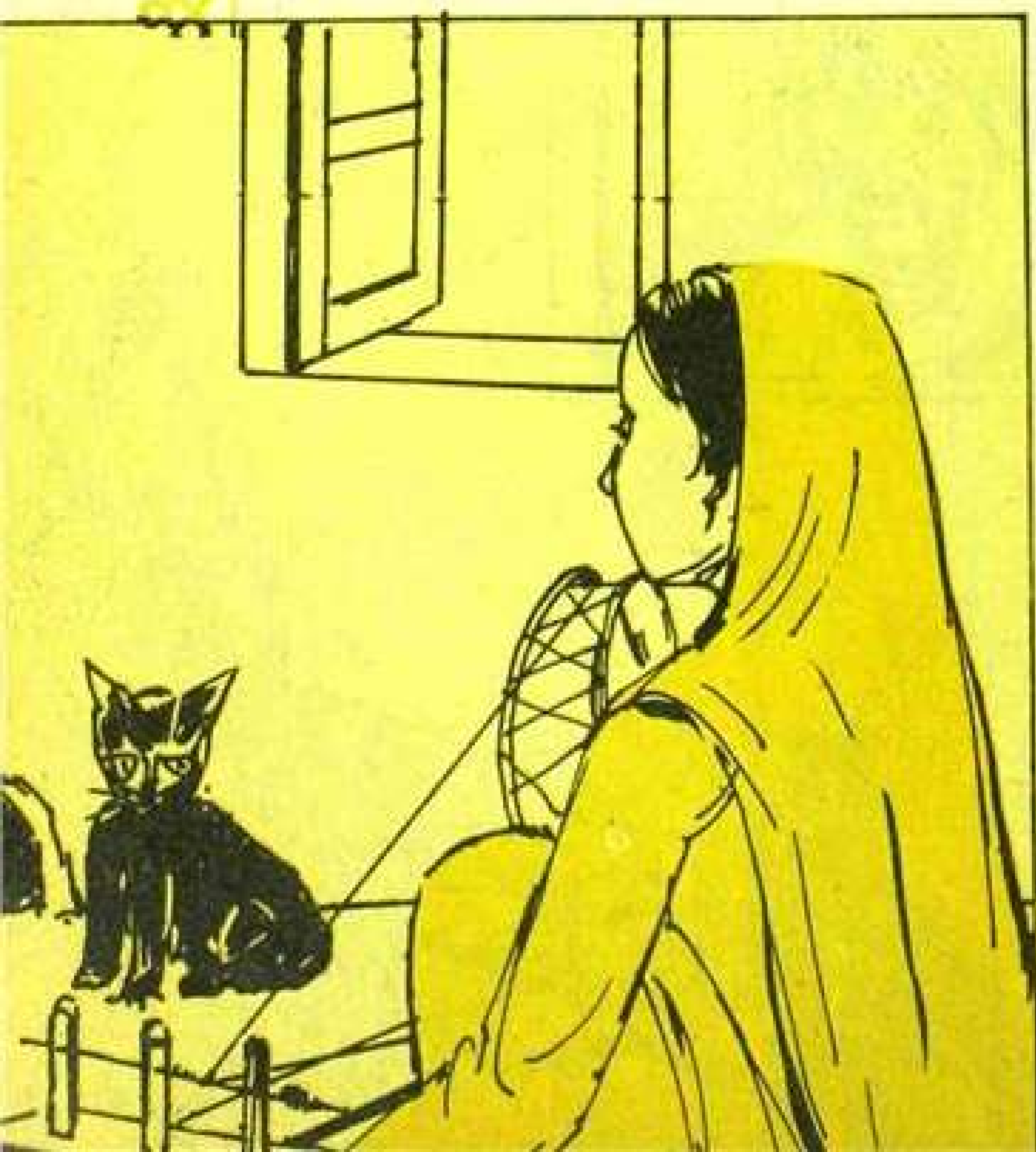
"پیاری بیٹی ! چرخہ کات رہی ہو ؟"

"جی ہاں خالہ جان !" بانو نے جواب دیا۔ چرچوں ...... چرچوں ...... چرخہ تیزی سے چل رہا تھا۔

پھر آہستہ سے بلّی نے کہا :

"بانو ! اب تم یہاں سے بھاگنے کی کوشش کرو، لیکن یاد رکھو کہ تمھارے پاس ایک تولیہ ہے۔ جب مچھنچھو تمھارے بالکل قریب آئے تو وہ تولیہ اُس کے آگے پھینک دینا۔ ایک بہت بڑا تالاب تمھارے اور چڑیل کے درمیان آ جائے گا، اور اس تالاب کو خشک کرنے میں اُسے کچھ دیر لگ جائے گی۔ لیکن تم بھاگتی رہنا۔ جب وہ پھر تمھارے قریب پہنچے تو وہ کنگھا پھینک دینا، جس سے ایک بہت بڑا گھنا جنگل بن جائے گا، اور تم بچ نکلو گی۔"

"لیکن اے پیاری خالہ بلّی ! اگر چرخے کی آواز بند ہوگئی تو چڑیل کو معلوم ہو جائے گا۔" بانو نے کہا۔

"وہ مَیں دیکھ لوں گی۔" بلّی نے کہا اور لڑکی کی جگہ لے لی۔

چر چوں .... چر چوں .... چر چوں ...... چر .... چوں ...... برابر چرخے کی آواز نکل رہی تھی۔

بانو نے کھڑکی میں سے اندر جھانک کے دیکھا کہ مُنّنھو مائی غسل خانے میں تھی۔ اس نے وہاں سے بھاگنا شروع کر دیا۔ وہ خوف ناک کُتّا اس پر جھپٹا کہ اُس کی بوٹیاں بوٹیاں کر دے۔ لیکن جب اُس نے اُسے پہچانا کہ یہ تو وہی مہربان لڑکی ہے، جس نے اُسے صبح روٹی کا ٹکڑا دیا تھا، تو راستے سے ہٹ گیا۔

دروازے پر بیری کا ایک درخت تھا جس کے کانٹے انسان کی آنکھیں پھوڑ دیا کرتے تھے۔

بانو نے سوچا۔ مَیں نے کتنا اچھا کیا کہ راستے میں پڑا ہُوا فیتہ اُٹھا لیا تھا۔ اُس نے جلدی سے اپنے تھیلے سے وہ فیتہ نکالا اور بیری کی شاخوں میں باندھ دیا۔ بیری کا پیڑ بہت شکر گزار ہُوا۔ اور بانو کی آنکھیں صحیح سلامت رہیں۔

جب بانو عمارت کے بڑے دروازے کے پاس پہنچی تو دروازہ اُسے پہچان کر خود بخود کھُل گیا۔
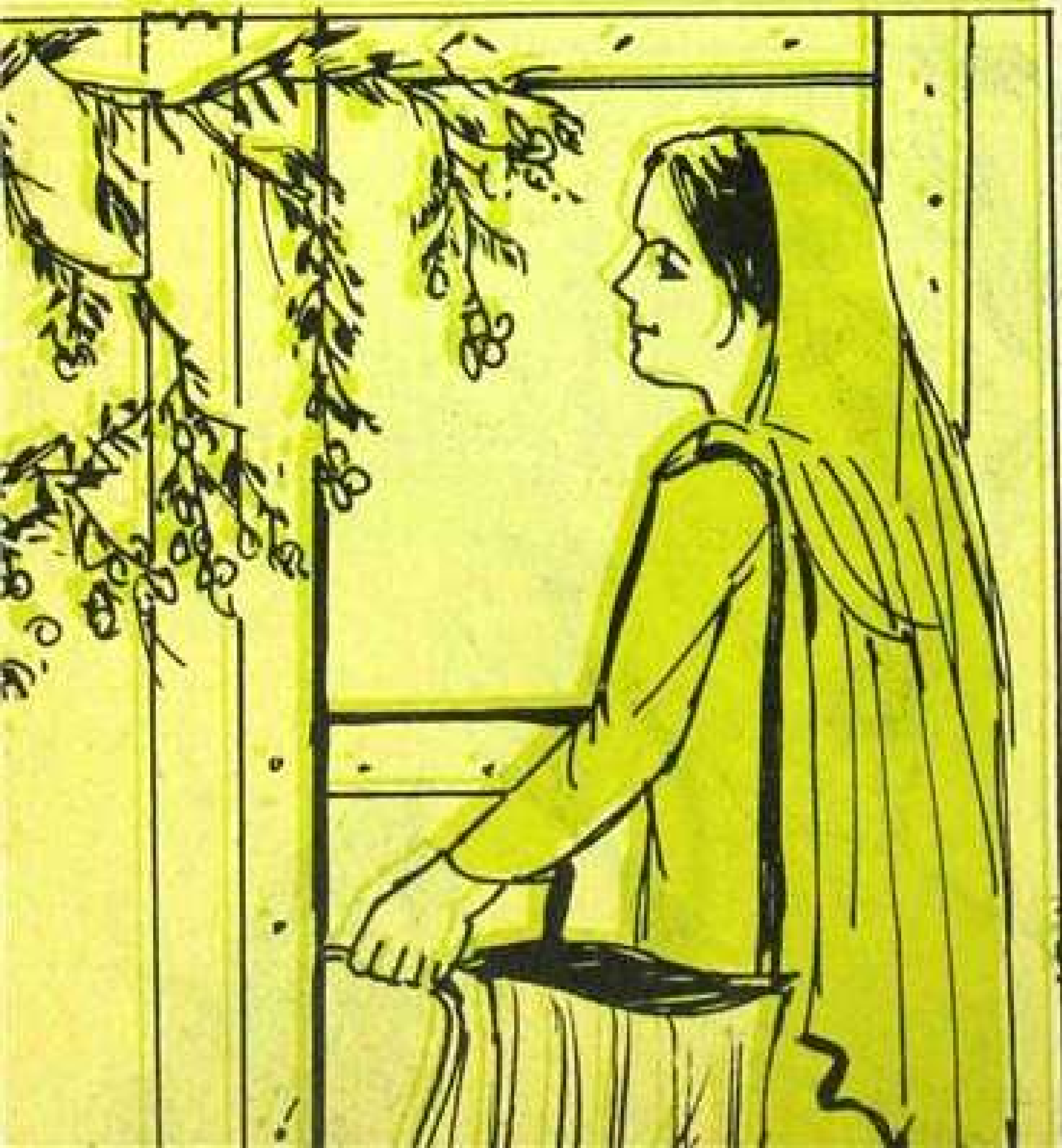
کیوں کہ اُس نے اس کی خشک چولوں میں صبح تیل ڈالا تھا اور اُس کی چُولوں میں اب کوئی آواز بھی نہیں ہوتی تھی۔

لڑکی بھاگتی رہی.... بھاگتی رہی.... وہ کافی دُور نکل گئی۔ جب مخنچو غسل خانے سے نکلی تو کھڑکی کے پاس آکر بولی:

"بانو میری جان! میرا قورمہ! کیا تم چرخہ کات رہی ہو!"

بلّی نے منمناتی ہُوئی آواز میں اُسے جواب دیا:

"جی ہاں! خالہ جان۔"

"ارے یہ تو میرے قورمے کی آواز نہیں ہے۔"

مخنچو کمرے میں جھپٹی........ دیکھا تو لڑکی کے بجائے کالی بلّی بیٹھی چرخہ کات رہی تھی........

"نمک حرام — بتا کہاں ہے لڑکی — تم نے اُسے کیوں بھاگنے دیا؟ کیوں نہیں اسے پکڑا........!" مخنچو نے غصّہ میں چیختے ہُوئے بلّی سے سوال کیا۔

بلّی نے جواب دیا:

"برسوں سے مَیں تمھاری خدمت کر رہی ہُوں مائی مخنچو! لیکن تم
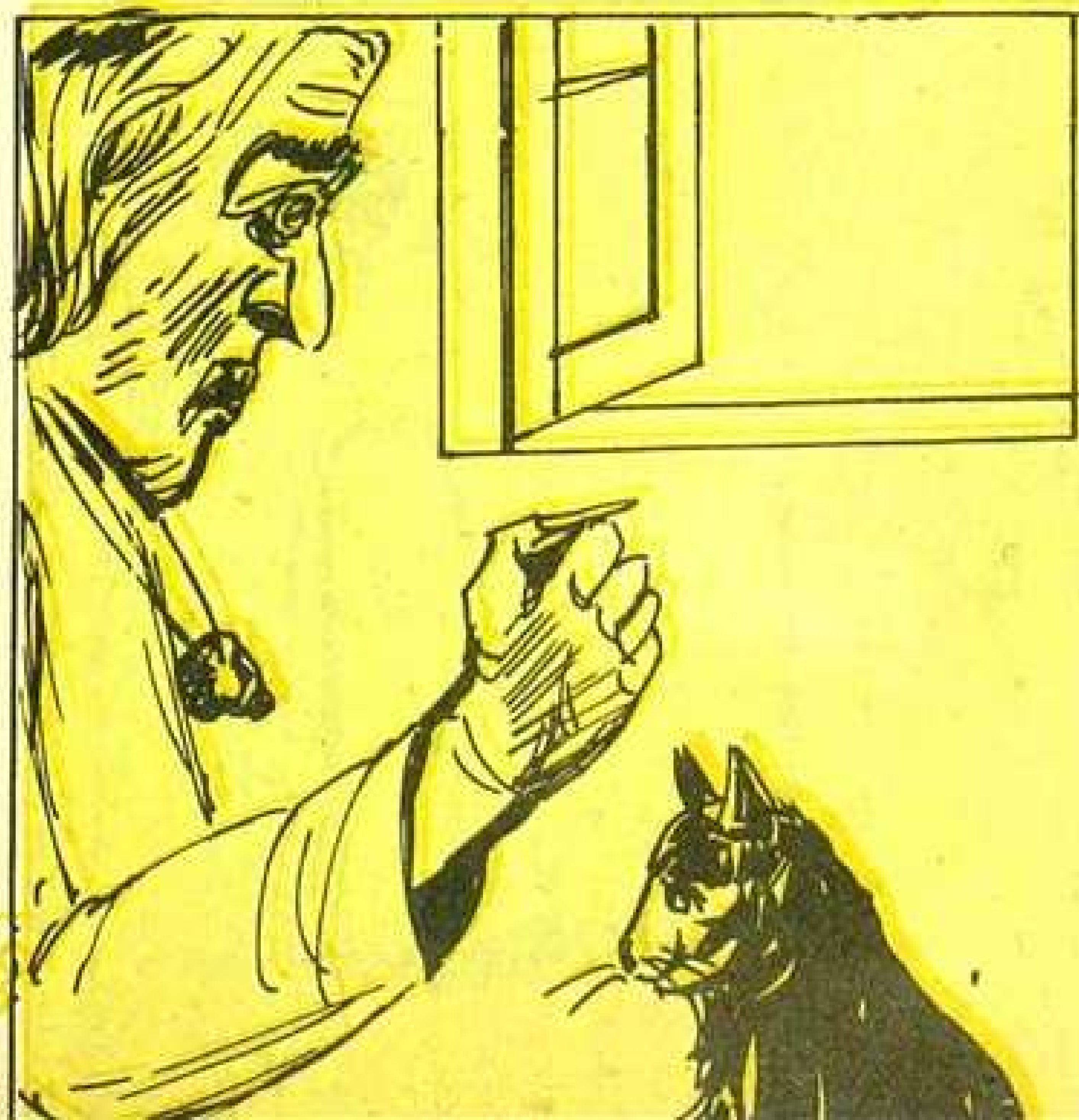
نے مجھے گوشت کا ایک ٹکڑا بھی کھانے کے لیے نہیں دیا۔ اور مجھے بھُوکا پیاسا رکھا، لیکن لڑکی نے مجھُ پر رحم کیا اور مجھے گوشت کا ٹکڑا دے کر میرا پیٹ بھرا تھا۔"

مخنجو نے بلّی کو لات ماری اور باہر کی طرف بھاگی۔

"تم نے اُسے چیر پھاڑ کر کیوں نہ کھایا؟" اُس نے چیخ کر کتّے سے پُوچھا۔

"تم نے اُس کی آنکھیں کیوں نہ پھوڑیں.....؟" اُس نے بیری کو غُصّے میں جھنجھوڑ کر پُوچھا۔

"تم نے اُسے بند کیوں نہ کیا؟" دروازے سے پُوچھا۔

وہ بالکل پاگل ہوگئی تھی۔ کتّے نے جواب دیا :

"اِتنے برس تمھاری خدمت کی، لیکن تم نے مجھے کبھی روٹی کا ایک ٹکڑا نہیں دیا اور بانو نے میرے ساتھ ہمدردی کی اور مجھے روٹی کا ٹکڑا کھانے کو دیا۔"

بیری کے درخت نے کہا :

"اِتنے سال مَیں نے تمھاری خدمت کی، لیکن ہائے تمُ نے

ایک دفعہ بھی میری جڑوں میں پانی نہیں ڈالا —— اور بانو نے میری شاخوں میں خوب صورت نیلا فیتہ باندھا۔"

دروازوں نے کہا :

"تم نے ایک دفعہ بھی ہماری چولوں میں تیل نہیں ڈالا۔ اُس لڑکی بانو نے تیل ڈالا ۔ وہ کتنی مہربان ہے۔"

اور جب غصّے میں بھری ہُوئی مخنچو مائی اپنی باندی پر جھپٹی تو اُس نے بھی روتے ہُوئے کہا :

"اتنے برس تمھاری خدمت کی، لیکن تم نے میرے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کیا۔ لیکن یہ دیکھو، بانو نے مجھے اِتنا خوب صورت رُومال دیا ہے۔ وُہ کتنی اچھی ہے۔" اُس کے ہاتھ میں وہ خوب صورت رومال اب بھی تھا۔

مخنچو نے غصّے میں اپنے لوہے کے دانت کٹکٹائے اور اپنی گاڑی لے کر لڑکی کے پیچھے بھاگی۔

بانو بہت تیز بھاگ رہی تھی۔ لیکن اس کے کان گاڑی کی گھر گھر پر لگے ہوئے تھے۔

بانو نے جب گاڑی کو قریب آتے دیکھا، تو اُس نے اپنے تھیلے سے تولیہ نکال کر میدان میں پھینک دیا، اور پھر دیکھتے دیکھتے ہی وہاں ایک بہت بڑا تالاب بن گیا۔ اب تو مچھنچو مائی کو بہت غصّہ آیا۔ وہ فوراً واپس جا کر اپنے سارے جانور بیل، بکریاں، اُونٹ لے آئی۔ ان سب جانوروں نے مِل کر پانی پینا شروع کر دیا۔ اور کچھ دیر کے بعد تالاب خشک ہو گیا، تو مچھنچو مائی نے پھر گاڑی لے کر بانو کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیا۔ بانو کے کان گاڑی کی گھِر گھِر پر لگے ہُوئے تھے۔ جب اُس نے دیکھا کہ گاڑی بہت قریب آ گئی ہے، تو اُس نے تھیلے سے کنگھا نکالا اور گاڑی کے آگے پھینک دیا۔ اب کیا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے وہاں ایک گھنا جنگل لڑکی اور مچھنچو کے درمیان آ گیا۔ اب تو بانو بہت خوش ہُوئی۔

"تت..... تت....." قریب ہی چوہیا کی آواز آئی۔ وہ ایک گرے ہُوئے درخت کی شاخوں کو کُتر رہی تھی اور ہنس رہی تھی۔

بانو اس کے پاس آکر اُس کا شکریہ ادا کرنے لگی۔ پھر وہ اپنے گھر کی طرف بھاگی۔ اُس کی سانس پھُولی ہُوئی تھی۔ وہ جب دروازے میں داخل ہُوئی تو ابّو صحن میں کھڑے تھے۔

انھوں نے بانو سے پُوچھا :

"تم کہاں سے آرہی ہو ؟"

بانو نے اپنے ابّو کو پُورا قِصّہ سُنا دیا کہ سوتیلی ماں نے اُسے منچنچو مائی کا قورمہ بنانے کے لیے بھیجا تھا۔

جب ابّو کو معلوم ہُوا تو انھیں غصّہ آیا۔ انھوں نے اس عورت کو گھر سے نکال باہر کیا۔ پھر وہ دونوں اپنی جھونپڑی میں آرام سے رہنے لگے۔ چُوہیا روزانہ آتی۔ بانو اُسے کھانے کے لیے مزے مزے کی چیزیں دیتی۔ پھر وہ دونوں بہت دیر تک باتیں کرتی رہتیں۔

کہیں دُور گاؤں کے دُوسرے سِرے پر ایک عورت بُرے حالوں بھیک مانگا کرتی اور لوگ سُوکھے ٹکڑے اس کے پیالے میں ڈال دیا کرتے۔

یہ وہی سوتیلی ماں تھی۔ سچ ہے، ناشکروں کا یہی انجام ہے۔ ●●